Sir Muhammad Iqbal's 1930 Presidential Address to the 25th Session of The All-India Muslim League

Allahabad, 29th December 1930

Compiled and Presented by: Muhammad Mashhood Qasmi

Allama Muhammad Iqbal (1930) in Allahabad. Sitting next to him in the car is the late Haji Abdullah Haroon.

ترتیب

۱۔علامہ اقبال کے خطبہ الہٰ باد کا پس منظر

۲۔خطبۂ الہٰ باد کے موضوعات

۳۔علامہ اقبال کا خطبہ الہٰ باد (اردو متن)

۴۔علامہ اقبال کے خطبے کا ردِ عمل

۵۔جناب خرم علی شفیق صاحب کا مؤقف

English Section - انگریزی حصہ

1. Resolution of the All-India Muslim Conference, 1st January 1929
2. Mr Jinnah's Fourteen Points, 28th March 1929
3. Sections of Allama Iqbal's Address
4. Allama Iqbal's Presidential Address in Allahabad
5. Iqbal's Clarification on his Allahbad's Address
6. 1st Round Table Conference

علامہ اقبال کے خطبہ الہٰ باد کا پس منظر

۸ نومبر ۱۹۲۷ء کو برطانوی حکومت نے آئندہ آئین کیلئے تجاویز پیش کرنے والے کمیشن کا اعلان کیا۔ کمیشن سر جان ایلزبروک سائمن کی سربراہی میں اعلان کئے جانے والے کمیشن میں چھ اور ارکان شامل تھے۔ چونکہ کوئی ہندوستانی کمیشن میں شامل نہیں کیا گیا تھا اس لئے بڑے پیمانے پر کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ سمیت تمام جماعتوں کی طرف سے اس کی مذمت کی گئی اور کمیشن کے ساتھ تعاون نہ کرنے کے اعلانات سامنے آئے۔ علامہ اقبال نے پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری کی حیثیت سے بیان جاری کیا اور کمیشن میں کسی ہندوستانی کا نہ ہونے کو ہندوستان کے وقار پر حملہ قرار دیا۔ کمیشن کے بائیکاٹ کے بارے میں علامہ صاحب نے کہا کہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو غور و فکر کے بعد کوئی متفقہ فیصلہ کرنا چاہیئے۔ پنجاب پراونشل مسلم لیگ نے سر شفیع کی قیادت میں فیصلہ کیا کہ کمیشن کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ یہ مرکزی مسلم لیگ کے فیصلے کے برخلاف تھا۔ ابھی یہ اختلاف سامنے آیا ہی تھا کہ مسلم لیگ کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور پنجاب کی صوبائی مسلم لیگ کے درمیان لیگ کی صدارت کے معاملے پر بھی اختلافات سامنے آگئے اور دسمبر ۱۹۲۷ء کے آخر میں مسلم لیگ دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک گروپ کو کلکتہ گروپ یا جناح گروپ کے نام سے بلایا گیا اور دوسرے گروپ کو لاہور گروپ یا شفیع گروپ کا نام دیا جانے لگا۔

سائمن کمیشن

۱۹

مئی ۱۹۲۸ء کو وہ کمیٹی تشکیل دی گئی جسے نہرو کمیٹی کا نام دیا گیا۔ کانگریس کے زیرِ اثر آل پارٹیز کانفرنس کی سب کمیٹی کی سربراہی پنڈت موتی لعل نہرو کر رہے تھے جس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ کانگریس کے مدراس میں ہونے والے اجلاس میں منظور کی گئی قراردادِ اتحاد کی بنیاد پر ہندوستان کا آئین تیار کرے۔ مقصد یہ تھا کہ برطانوی پارلیمنٹ سے اس کے نفاذ کا مطالبہ کیا جاسکے۔ نہرو رپورٹ سامنے آنے پر علامہ اقبال اس نتیجے پر مہنچے کے "ہندوستانی پنڈتوں" نے کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کا قایم کردہ حکومتی ڈھانچہ بر قرار رہے اور اختیارات ہندو لیڈران کے ہاتھوں میں چلا جائے۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۷ء سے یکم جنوری ۱۹۲۸ء تک کانگریس کے زیرِ اہتمام کلکتہ میں آل پارٹیز کنونشن منعقد کیا گیا۔ مقصد نہرو رپورٹ کو منظور کروانا تھا۔ مسلم لیگ نے نہرو رپورٹ میں پانچ ترامیم کی تجویز دی، صرف ایک تجویز منظور کی گئی باقی مسترد کر دی گئیں۔

پنڈت موتی لال نہرو کی سربراہی میں ۹ ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کو نہرو کمیٹی کا نام دیا گیا۔ اس کمیٹی نے جو آئینی تجاویز تیار کیں اس کو نہرو رپورٹ کہا جاتا ہے۔ اس کمیٹی میں دو مسلمان سر علی امام اور شعیب قریشی بھی شامل تھے۔ سر علی امام نے ایک بھی اجلاس میں شرکت نہ کی جب کہ شعیب قریشی نے اس رپورٹ پر اختلافی نوٹ لکھا تھا جس کو شائع کرنے کی پنڈت موتی لال نہرو میں جرأت نہ ہو سکی۔

نہرو کمیٹی نے جو آئین تیار کیا اس میں مسلمانوں کے تمام اہم مطالبات عملاً نظر انداز کر دیئے گئے تھے۔ جداگانہ انتخاب، مرکزی اسمبلی میں ایک تہائی نمائندگی، وفاقی آئین، صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری، سندھ کی بمبئی سے علیحدگی، بلوچستان اور صوبہ سرحد میں اصلاحات کا اجرا یہ وہ اہم امور تھے جن سے برعظیم کے مسلمانوں کی بقا وابستہ تھی مگر نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کے ان تمام مطالبات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔

۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو دہلی میں سر آغا خان کی صدارت میں ہندوستان کے مختلف مسلمان گروپوں کا ایک نمائندہ اجلاس منعقد کیا گیا۔ مسلم لیگ جناح گروپ نے اس اجلاس میں شرکت نہیں کی۔ اس اجلاس کو برصغیر کے مسلمانوں کے تمام اجلاسوں پر فوقیت حاصل تھی کہ تاریخی اعتبار سے ایسا اجتماع پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اجلاس میں پندرہ قراردادیں منظور کی گئیں، جن کی تفصیل انگریزی سیکشن میں دی جا رہی ہے۔ جناح صاحب نے اگرچہ اس کانفرنس میں شرکت نہیں کی تھی تاہم انہوں نے اسے مسلمانوں کا اجتماعی فیصلہ قرار دیتے ہوئے اس کی قراردادوں کو سراہا اور لیگ کے دونوں گروپوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۹ء سے یکم اپریل تک مسلم لیگ کا اجلاس جناح صاحب کی صدارت میں دہلی میں منعقد ہوا۔

آل انڈیا مسلم کانفرنس ۱۹۲۸ء

شفیع گروپ نے شرکت نہیں کی۔ مسلم کانفرنس کی منظور کردہ قراردادوں کو سامنے رکھ کر جناح صاحب نے اپنے مشہور ۱۴ نکات پیش کئے جنہیں انہوں نے اپنے خیالات نہیں بلکہ مسلمانوں کی آرا پر مبنی خیالات کا آئینہ قرار دیا۔ جناح صاحب نے واضح کیا کہ نہرو رپورٹ ہندوستان کے تمام طبقوں کی حمایت حاصل نہیں کر سکی ہے اس لئے اسے مارچ ۱۹۲۷ء کی "دہلی مسلم تجاویز" کے جواب میں ہندو تجاویز سمجھنا درست ہو گا۔ جناح صاحب کے چودہ نکات کی تفصیل انگریزی سیکشن میں شامل ہے۔ کانگریس نے حکومت برطانیہ کو نہرو رپورٹ کی منظوری کیلئے ایک سال کا وقت دیا تھا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو یہ مدت پوری ہو رہی تھی۔ اس رات کانگریس نے گاندھی جی کی قرارداد سوراج منظور کی جس کا مطلب تھا برطانیہ سے کامل آزادی۔ اس قرارداد کی منظوری کے ساتھ کانگریس نے نہرو رپورٹ سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔

۲۸ فروری ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں نے شرکت کی اور مسلم لیگ پھر سے ایک ہو گئی۔ کانگریس نے نہرو رپورٹ کو منظور نہ کئے جانے پر سول نافرمانی کی تحری شروع کر دی تھی۔ مسلمانوں کی طرف سے مسلم آل پارٹیز کانفرنس نے قرارداد منظور کی کہ مسلمان اس تحریک میں حصہ نہیں لے سکتے کیونکہ یہ آزادی کی تحریک نہیں بلکہ در پردہ برطانوی حکومت سے سازباز کی تحریک ہے اور درحقیقت کانگریس اپنی ترک شدہ نہرو رپورٹ کو ہی منظور کرانا چاہتی ہے تاکہ مسلمانوں اور دوسری اقلیت کی آواز کو دبایا جاسکے۔ ہندوستان کی مختلف جماعتوں کی طرف سے ایک لائحہ عمل سامنے نہ آنے پر حکومتِ برطانیہ نے انگلستان کی سرزمین پر گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا تاکہ کسی متفقہ فیصلے تک پہنچا جاسکے۔ ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو لندن مین پارلیمنٹ کی شاہی گیلری میں گول میز کانفرنس کا افتتاح ہوا۔ کانگریس کے مرکزی رہنما جیلوں میں تھے اور مدعو نہیں کئے گئے تھے۔ یہ تھا وہ سارا پس منظر جس میں ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو علامہ اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اپنا مشہور خطبہ الٰہ باد پیش کیا۔

خطبۂ الٰہ آباد کے موضوعات

۱۔ اسلام اور قومیت

۲۔ ہندوستانی قوم کا اتحاد

۳۔ ہندوستان میں مسلم ہندوستان

۴۔ وفاقی ریاستیں

۵۔ وفاق بمطابق سائمن کمیشن رپورٹ

۶۔ گول میز کانفرنس میں بحث کی گئی وفاقی اسکیم

۷۔ دفاع کے مسائل

۸۔ متبادل

۹۔ گول میز کانفرنس

۱۰۔ ماحصل

علامہ اقبال کا خطبہ الہٰ باد

علامہ اقبال کے خطبہ الہٰ باد کے حوالے سے جتنا کچھ لکھا جاتا ہے یا باتیں کی جاتی ہیں، شاید ہی تحریکِ پاکستان کے کسی اور واقعہ سے متعلق اتنی سرگرمی ہوتی ہو۔ یہ جلسہ بڑی تگ و دو کے بعد ہو پایا تھا اور مسلمانوں میں اس جلسے کے حوالے سے جو جوش و خروش پایا جاتا تھا، اس کے برعکس جلسہ کا مقام اور انتظامات انتہائی ناموزوں تھے۔ علامہ صاحب کی تقریر انگریزی میں تھی اور عالمانہ تھی۔ تقریر کا کتابچہ تقسیم کر دیا گیا تھا۔ تقریر کے متن کو سمجھنا عمومی طور پر شریکِ جلسہ کیلئے مشکل کام تھا۔

یہ کیفیت آج بھی برقرار ہے، اس خطبے کے حوالے سے لکھنے والے اور تبصرہ کرنے والے اکثر افراد آج بھی نہ اس پوری تقریر کو پڑھتے ہیں اور نہ ہی اس میں پوشیدہ کچھ اشارات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، حتیٰ کے نہایت واضح الفاظ میں کئے گئے مطالبے کی بھی من مانی تشریحات کرتے ہیں۔
بہر حال میرا یہ مقام و مرتبہ نہیں کہ میں اس پر کچھ زیادہ بات کروں۔

دریائے گنگا اور جمنا کے سنگم پہ واقع شہر الہٰ باد ہندوؤں کیلئے ایک مقدس شہر کا مقام رکھتا ہے۔ علامہ اقبال ۲۸ دسمبر ۱۹۳۰ء کی سہ پہر کو سر عبداللہ ہارون کے ہمراہ الہٰ باد پہنچے تو وہاں انکا تاریخی استقبال ہوا۔ خیر مقدم کرنے والوں میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی شامل تھے۔ الہٰ باد کے شہریوں کے بقول ایسا مجمع پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ جدھر نظر اٹھتی تھی انسانوں کا سمندر امڈا نظر آتا تھا۔ وقفے وقفے سے مجمع علامہ صاحب کی تعریف و تحسین کے نعرے بلند کر رہا تھا۔

علامہ اقبال کا خطبہ صدارت جو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو بہ مقام الہٰ آباد میں پڑھا گیا۔ اصل خطبہ انگریزی میں تھا۔ اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

حضرات!

ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی فکر و عمل کی تاریخ کے انتہائی نازک لمحات میں آپ نے مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کا اعزاز بخشا، جس کیلئے میں آپ کا بیحد ممنون ہوں۔

اس عظیم اجتماع میں ایسے اصحاب کی موجودگی میں جن کا وسیع تر سیاسی تجربہ ہے اور جن کی معاملہ فہمی کا میں بے حد احترام کرتا ہوں، کسی شک میں پڑے بغیر یہ بڑی جسارت ہوگی اگر میں کسی رہنمائی کا دعویٰ کروں، ایسے سیاسی معاملات میں جن کے فیصلوں کیلئے ہم یہاں موجود ہیں۔

میں کسی جماعت کا رہنما نہیں ہوں۔ اور نہ ہی کسی رہنما کا پیرو ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسلام اس کے قوانین و سیاست' اس کی ثقافت و تاریخ اور ادب کے مطالعے میں صرف کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ روح اسلامی سے مسلسل تعلق کے باعث جس کا اظہار وقت کے ساتھ ہو رہا ہے، میرے اندر اسلام کو ایک اہم عالمگیر حقیقت کی حیثیت سے دیکھنے کی بصیرت پیدا ہو گئی ہے۔

لہٰذا یہ فرض کرتے ہوئے کہ ہندوستانی مسلمان اسلامی روح کے شیدائی رہیں گے میں اس بصیرت کی روشنی میں خواہ اس کی قدر و قیمت کچھ بھی ہو آپ کے فیصلوں میں آپ کی رہنمائی کرنے کے بجائے آپ کے دل میں اس بنیادی اصول کا احساس پیدا کرنے کا معمولی سا کام انجام دوں گا جس پر میری رائے میں آپ کے فیصلوں کا عموماً انحصار ہونا چاہیے۔

ا۔ اسلام اور قومیت

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کو ایک اخلاقی، مثالی نیز خاص قسم کی شائستگی کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے... اور اس اصطلاح سے میرا مطلب ایک ایسا معاشرہ ہے جس کا نظم وضبط ایک خاص نظام قانون اور مخصوص اخلاقی نصب العین کے ماتحت عمل میں آیا ہو... اسلام ہی مسلمانان ہند کی تاریخ کا اہم ترین جزو ترکیبی رہا ہے۔ اس نے ان بنیادی جذبات اور وفاداریوں کو پیش کیا ہے جو آہستہ آہستہ بکھرے ہوئے افراد اور گروہوں کو متحد کرتی ہیں، اور آخر کار ان کو خود ہی ایک اخلاقی شعور رکھنے والے نمایاں افراد میں بدل دیتی ہیں۔ واقعی یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کہ ہندوستان شاید دنیا کا واحد ملک ہے جہاں ایک عوامی تعمیراتی قوت کی حیثیت سے اسلام نے بہترین کام کیا ہے۔۔ درحقیقت یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ دنیا بھر میں صرف ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جہاں اسلام ایک مردم ساز قوت کی حیثیت سے بہترین صورت میں جلوہ گر ہوا ہے۔ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی اسلامی معاشرہ تقریباً پوری طرح ایک مخصوص اخلاقی نصب العین کی ثقافت سے بنا ہے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلم سوسائٹی کا خمیر جس میں ایک مخصوص ہم آہنگی اور اندرونی اتحاد پایا جاتا ہے ان قوانین اور اداروں کا رہین منت ہے جو اسلامی ثقافت سے وابستہ ہیں۔

لیکن مغرب کے سیاسی افکار نے جن خیالات کا پرچار کیا ہے ان کے باعث ہندوستان اور ہندوستان کے باہر مسلمانوں کی موجودہ نسل کا نقطہ نظر بدلتا نظر آتا ہے۔ ہمارے نوجوان ان خیالات سے متاثر ہو کر یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ملک میں بھی ایسے ہی خیالات زندہ و متحرک قوت بن جائیں، لیکن وہ ان حقائق کی طرف بنظر غائر توجہ نہیں دیتے جن کی بنا پر یورپ میں یہ صورت حال پیدا ہوئی۔ یورپ میں مسیحیت محض ایک رہبانی نظام تھا جو رفتہ رفتہ ایک وسیع کلیسائی ادارے (حکومت) میں تبدیل ہو گیا۔ لوتھر کا احتجاج دراصل اسی کلیسائی نظام حکومت کی طرف تھا۔ وہ کسی دنیاوی (لادینی) نظام کے خلاف نہ تھا۔ اس لیے اس قسم کی سیاست کا تعلق مسیحیت سے نہیں تھا اور اس نظام کے خلاف لوتھر کی بغاوت حق بجانب تھی۔ گو میرے خیال میں لوتھر کو اس امر کا احساس نہیں تھا کہ یورپ میں جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی اس کے پیش نظر اس کی بغاوت کا نتیجہ یہ ہو گا کہ حضرت عیسیٰ کے عالمگیر اخلاقی نظام کی جگہ متعدد اور مختلف النوع قومی نظام پیدا ہو جائیں گے جن کا حلقہ بہت محدود ہو گا۔

اسی لیے لوتھر اور روسو جیسے لوگوں کی تحریکوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وحدت کی جگہ غیر مربوط و منتشر کثرت نے لے لی جس کی وجہ سے انسانیت کی اکائی اقوام میں تقسیم ہو گئی۔ مثلاً ہر علاقے کو ایک الگ سیاسی اکائی تصور کیا جانے لگا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب کا تعلق صرف آخرت سے ہے تو مسیحیت کا جو حشر یورپ میں ہوا وہ قدرتی امر تھا۔ حضرت عیسیٰ کے عالمگیر اخلاقی نظام کی جگہ قومی اور سیاسی نظام کی اخلاقیات نے لے لی نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے مجبور ہو گیا کہ مذہب ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے جس کا دنیاوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں… لیکن اسلام انسان کی وحدت کو مادے اور روح کے تضادات میں تقسیم نہیں کرتا۔

اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ، کلیسا اور ریاست ایک کل کے مختلف اجزا ہیں۔ انسان کسی نجس دنیا کا باشندہ نہیں ہے جسے کسی ایسی روحانی دنیا کی خاطر ترک کرے جو کہیں اور واقع ہو۔ اسلام کے نزدیک مادہ روح کی وہ شکل ہے جو زمان و مکاں میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ غالباً مانیچین Manichaean فکر کے زیر اثر یورپ نے روح اور مادے کی دوئی کو بلا غور و فکر کے تسلیم کر لیا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں عیسائیت کو یوروپی ریاستوں کی زندگی سے مکمل طور پر خارج کر دیا گیا ہے۔ روحانی اور دنیاوی طور پر یہ علیحدگی غلطی کا نتیجہ ہے جس نے یورپی مذہبی اور سیاسی فکر کو بڑے پیمانے پر متاثر کیا ہے۔ اس کے بہترین مفکرین آج اس ابتدائی غلطی کا احساس کر رہے ہیں، لیکن ان کے سیاست دان بالواسطہ طور پر دنیا کو یہ نظام بلا تردد قبول کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ باہمی طور پر بیمار توازنی ریاستوں کا ایک ملاپ ہے جس کے انسانی نہیں بلکہ قومی مفادات ہیں۔ اور یہ باہمی طور پر بیمار توازنی ریاستیں، عیسائیت کے اخلاقی اور مذہبی اعتقادات کو پامال کرنے کے بعد، آج ایک وفاقیت والے یوروپ کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں، یعنی

ایک اتحاد کی ضرورت جو مسیحی چرچ کی تنظیم نے اصل میں انھیں دی تھی۔ یعنی اس اتحاد کی ضرورت ہے جو اصل میں عیسائی چرچ کی تنظیم نے انہیں دی تھی، لیکن جس نے، اسے مسیح کے انسانی بھائی چارہ کے پیغام کی روشنی میں تشکیل نو کے بجائے لوتھر کے زیر اثر رہ کر تباہی پر آمادہ رکھا۔

دنیائے اسلام میں کسی لوتھر کا ظہور ممکن نہیں ہے اس لے کہ اسلام میں ایسا کوئی کلیسائی نظام موجود نہیں ہے جیسا کہ ازمنہ وسطیٰ کی مسیحی دنیا میں موجود تھا۔ اور جس کے توڑنے کی ضرورت محسوس کی گئی تھی۔ دنیائے اسلام میں ایک عالمگیر نظام سیاست موجود ہے جس کے بنیادی نکات وحی کا نتیجہ ہیں۔ لیکن چونکہ عرصہ دراز سے ہمارے فقہا جدید دنیا سے بے خبر رہے ہیں اس لیے اس نظام کو نئے سرے سے مرتب کر کے مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نہیں جانتا کہ قومیت کے تصور کا اسلامی دنیا میں آخر کار کیا حشر ہو گا۔ کیا اسلام اسے اپنے اندر جذب کر کے اس کی اس طرح قلب ماہیت کر دے گا جیسا کہ پہلے بہت سے ایسے تصورات کی کر چکا ہے جو اسلام سے مختلف تھے یا خود اسلام کے اندر کوئی زبردست تغیر رونما ہو جائے گا... اس بارے میں پیش گوئی کرنا مشکل ہے۔ لیڈن (Leidon) ہالینڈ کے پروفیسر وینسنک (Wensinck) نے حال ہی میں مجھے لکھا تھا کہ: "مجھے ایسا محسوس ہوا ہے کہ اسلام ایک ایسے بحرانی دور میں داخل ہو رہا ہے کہ جس میں مسیحیت کو داخل ہوئے ایک صدی سے زیادہ گزر چکا ہے۔ سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ پرانے تصورات کو ترک کر دینے کے ساتھ ساتھ مذہب کی بنیاد کو بھی کسی طرح محفوظ رکھا جائے۔ میرے لیے تو یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ اس کا نتیجہ مسیحیت کے حق میں کیا ہو گا چہ جائیکہ اسلام کے بارے میں کوئی پیش گوئی کروں"۔ اس وقت قومیت کے تصور نے مسلمانوں کی نگاہوں کو نسل پرستی سے آلودہ کر رکھا ہے اور یہ خیال اسلام کے انسان دوستی کے تصور میں بری طرح حائل ہو رہا ہے ممکن ہے کہ نسل پرستی کا یہ جذبہ ایسے معیار کو بڑھاوا دے جو اسلام کے معیار سے مختلف بلکہ متضاد ہوں۔

مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اس علمی بحث کے لیے معاف فرمائیں گے لیکن آل انڈیا مسلم لیگ کے اس جلسے کی صدارت کے لیے آپ نے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو اس امر سے مایوس نہیں ہے کہ اسلام اب بھی ایک ایسی قوت ہے جس میں انسان کی سوچ کو جغرافیائی حدود سے آزاد کرانے کی سکت موجود ہے... جو یہ مانتا ہے کہ مذہب افراد کے ساتھ ساتھ ریاستوں کی زندگی میں بھی انتہائی اہمیت کی حامل طاقت ہے، اور آخر کار جو یہ مانتا ہے کہ اسلام خود ہی منزل ہے اور اس کو کسی گمراہی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ حالات کو خود اپنے ہی نقطہ نگاہ سے دیکھے۔ یہ نہ سمجھے کہ جس مسئلے کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ محض ایک نظری مسئلہ ہے یہ ایک زندہ اور عملی مسئلہ ہے جس سے اسلام کے دستور حیات اور نظام عمل کے تار و پود متاثر ہو سکتے ہیں۔ اس مسئلے کے صحیح حل سے ہندوستان میں ایک ممتاز ثقافتی گروہ کی حیثیت سے ہمارے مستقبل پر اثر پڑ سکتا ہے۔

ہماری تاریخ میں اسلام پر ایسا سخت دور کبھی نہ آیا تھا کہ جیسا کہ آج ہے لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے سماج کے بنیادی اصولوں میں ترمیم کریں یا انہیں بالکل مسترد کر دیں۔ لیکن دوسرے تجربات کرنے سے پہلے واضح طور پر یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ ان کا نتیجہ کیا ہو گا۔ میں نہیں چاہتا کہ جس انداز میں اس مسئلے کی طرف دیکھ رہا ہوں اس سے یہ خیال پیدا ہو کہ جن حضرات کی سوچ میری سوچ سے مختلف ہے میں ان سے جھگڑا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کا یہ اجتماع مسلمانوں کا اجتماع ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ سب اسلام کے مقاصد اور اس کی روح سے وفادار رہنے کے خواہشمند ہیں اس لیے میرا واحد مقصد یہی ہے کہ میں آپ کے سامنے صاف صاف اور دیانتداری کے ساتھ موجودہ صورت حال کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر دوں۔ میرے خیال میں صرف یہی طریقہ ہے کہ میں آپ کے سیاسی عمل کی راہوں کو اپنے عقائد کی روشنی سے منور کر سکوں گا۔

۲۔ ہندوستانی قوم کا اتحاد

سوال یہ ہے کہ اصل مسئلہ اور اس کے نتائج کیا ہیں؟ کیا مذہب صرف ایک نجی معاملہ ہے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اخلاقی اور سیاسی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو یورپ میں مسیحیت کا ہو چکا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ ہم مذہب کو ایک اخلاقی آئیڈیل کی حیثیت سے تو باقی رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کو رد کر کے قومیتی سیاست کو اپنا لیں جس میں مذہبی رجحان کو کوئی کردار ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ہندوستان میں یہ سوال خصوصی اہمیت کا حامل ہے اس لیے کہ یہاں مسلمان اقلیت میں ہیں یہ دعویٰ کہ مذہب محض ایک نجی اور انفرادی معاملہ ہے ایک یوروپین کی زبان سے تو تعجب خیز معلوم نہیں ہوتا ہے کیونکہ یورپ میں مسیحیت کا تصور رہبانیت کا نظام تھا۔ جس میں مادی دنیا سے منہ موڑ کر تمام تر توجہ روحانی دنیا کی طرف مرکوز کی جاتی ہے اور لازماً اس سے وہی نتیجہ نکلتا ہے جو پہلے بیان کیا گیا ہے لیکن رسول اکرمؐ کے مذہبی تجربے کی حیثیت جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا ہے بالکل مختلف ہے یہ محض حیاتیاتی تجربہ نہیں جس کا تعلق صرف تجربہ کرنے والے کے باطن سے ہو اور اس کے گردوپیش پر کوئی رد عمل نہ ہو۔ یہ انفرادی تجربہ ایک سماجی نظام کی تخلیق کا باعث تھا۔ اور اس کا فوری نتیجہ ایک خاص نظام سیاست کے بنیادی اصولوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جن میں قانونی تصورات مضمر تھے اور جن کی سماجی اہمیت کو محض یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی بنیاد وحی والہام ہے۔

اس لیے اسلام کا مذہبی نصب العین اس معاشرتی نظام سے مربوط و منسلک ہے جو خود اسلام کا ہی پیدا کردہ ہے۔ اگر ایک کو مسترد کیا جائے گا تو دوسرا خود بخود مسترد ہو جائے گا۔ اس لیے ایک مسلمان اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ایسے قومی خطوط پر نظام سیاست مرتب کیا جائے جن کا مطلب یہ ہو کہ اسلام کے اصول اتحاد کی نفی ہو جائے یہی مسئلہ آج ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے ہے۔ رینان (مشہور فرانسیسی دانشور) کا قول ہے انسان نہ نسل کی قید گوارا کر سکتا ہے نہ مذہب کی نہ دریاؤں کے بہاؤ کی نہ پہاڑی سلسلوں کی۔ صحیح الدماغ لوگوں کا گروہ جن کے دلوں میں گرمی جذبات موجود

ہے ایسا اخلاقی شعور پیدا کر لیتے ہیں جسے ہم قوم کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں...اس طرح کی تشکیل بہت ممکن ہے، اگرچہ اس میں انسان کو عملی طور پر دوبارہ تیار کرنے اور تازہ جذباتی سازوسامان سے آراستہ کرنے کا طویل اور مشکل عمل شامل ہے۔ اگر کبیر کی تعلیمات یا اکبر کا دین الٰہی اس ملک کے عوام کے ذہنوں پر حاوی ہو جاتا تب تو یہ صورت حال ایک حقیقت بن جاتی۔ لیکن تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مذاہب اور جاتیوں میں ایسا کوئی رجحان موجود نہیں ہے۔ کہ وہ اپنی انفرادیت کو ایک عظیم ہئیت اجتماعیہ میں مدغم کرنے پر تیار ہو جائیں۔ ہر گروہ اپنی الگ اجتماعی حیثیت کو قائم رکھنے پر مصر ہے۔ اس قسم کا اخلاقی شعور جو رینان کے نقطہ نظر کے مطابق قوم کی تخلیق کے جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی قربانی کا طالب ہے جو ہندوستان کے لوگ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے ہندوستانی قوم کا اتحاد جماعتوں کی نفی میں نہیں بلکہ ان کے باہمی اشتراک اور ہم آہنگی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

دراصل تدبر کا تقاضا ہے کہ حقائق کو نظر انداز نہ کیا جائے خواہ وہ کتنے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں۔ عملی راہ یہ نہیں ہے کہ ان حالات کے بارے میں معروضات قائم کرے جائیں جو فی الواقع موجود نہیں بلکہ طریق کار یہ ہونا چاہیئے کہ حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے ان سے حتی الامکان فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ ہندوستان اور ایشیا کی تقدیر کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم ان خطوط پر ہندوستان میں اتحاد و اتفاق کے حصول کی کوشش کریں۔ ہندوستان چھوٹے پیمانے پر ایشیا ہے ہندوستان کے باشندوں کا ایک حصہ مشرق میں بسنے والی اقوام کے ساتھ ثقافتی روابط رکھتا ہے اور دوسرا مغربی ایشیا اور شرق الاوسط کے ساتھ۔ اگر ہندوستان میں اشتراک و تعاون کے موثر اصول کی راہ نکل آئی تو اس قدم سے ملک میں امن و آشتی پیدا ہو جائے گی۔ جو اپنے باشندوں کی کسی طبعی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ تاریخی عوامل کے باعث مصائب میں مبتلا رہا ہے ساتھ ساتھ ایشیا کے تمام سیاسی مسائل کا حل بھی ممکن ہو جائے گا۔

یہ امر نہایت تکلیف دہ ہے کہ باہمی تعاون کے حصول کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ اس ناکامی کا سبب کیا ہے؟ شاید ہم دوسرے کی نیتوں پر شبہ کرتے ہیں اور ہم ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یا شاید باہمی تعاون کے بلند مقصد کے لیے ہم اتنا ایثار بھی نہیں کر سکتے کہ جو اجارہ داریاں حالات نے ہمارے ہاتھوں میں سونپ دی ہیں ان سے دست بردار ہو جائیں۔ ہم اپنی انانیت کو قوم پرستی کے پردے میں چھپاتے ہیں۔ بظاہر ہم فراخ دلی اور حب الوطنی کے دعوے دار ہیں مگر بہ باطن ہم ذات پات اور قبیلہ پرستوں کی مانند تنگ نظر ہیں۔ غالباً ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ہر گروہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تہذیبی روایات کے مطابق ترقی کرے۔ لیکن خواہ ہماری ناکامی کے اسباب کچھ بھی ہوں میں اب بھی پر امید ہوں واقعات کا رجحان داخلی ہم آہنگی کی سمت میں بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور جہاں تک میں مسلمانوں کے ذہن کو سمجھ سکا ہوں مجھے یہ اعلان کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ ہندوستان کے مسلمان کو اپنے ہندوستانی گھر میں اپنی ثقافت اور روایات کے مطابق

آزادانہ ترقی کرنے کا حق حاصل ہے اور مستقل اور دیرپا فرقہ وارانہ تصفیہ اسی اصول کے مطابق ہو گا تو وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو گا۔

یہ اصول کہ ہر گروہ اپنے عقائد کے مطابق آزادانہ ترقی کرنے کا حق رکھتا ہے تنگ نظر فرقہ پرستی کے جذبے پر مبنی نہیں ہے۔ فرقہ پرستی کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ جو فرقہ دوسرے فرقوں کی بدخواہی کے جذبات رکھتا ہو اس کے پیچ اور ذلیل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ میں دوسری قوموں کے رسوم قوانین مذہبی اور سماجی اداروں کا بے حد احترام کرتا ہوں اور یہی نہیں بلکہ قرآن کی تعلیم کے مطابق ضرورت پڑنے پر ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی میرا فرض ہے۔ اس کے باوجود مجھے اس جماعت سے محبت ہے جو میری زندگی اور طرز عمل کا سرچشمہ ہے۔ اور جس نے مجھے اپنا مذہب اپنا ادب اپنی فکر اور اپنی ثقافت دے کر میرا اطمینان اس صورت میں کیا ہے جیسا کہ میں ہوں۔ اور اس طور پر میرے ماضی کو از سرنو زندہ کر کے وہ میرے شعور کا ایک زندہ و فعال عنصر بن چکی ہے۔ یہاں تک کہ نہرو رپورٹ کے مصنف بھی فرقہ واریت کے اس اعلی پہلو کی قدر کو تسلیم کرتے ہیں۔ سندھ کی علیحدگی پر بحث کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: "یہ کہنا کہ قوم پرستی کے وسیع نقطہ نگاہ کے ماتحت کسی فرقہ وارانہ صوبے کا قیام عمل میں نہیں آنا چاہیے ایک طرح سے اس بیان کا مترادف ہے کہ وسیع ترین بین الاقوامی نقطہ نگاہ کے مطابق علیحدہ قوموں کا وجود بھی مناسب نہیں۔ ان دونوں بیانات میں ایک حد تک صداقت موجود ہے۔ لیکن بین الاقوامی اصول کے بڑے سے بڑے حامی کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ قوموں کی خود مختاری کے بغیر کسی بین الاقوامی ریاست کا وجود مشکل ہے۔ اسی طرح مکمل تمدنی آزادی کے بغیر...(اور فرقہ پرستی اعلیٰ مقام پر پہنچ کر تمدن ہی کا ایک پہلو بن جاتی ہے) ایک ہم آہنگ قوم کی تشکیل مشکل ہے"۔

۳۔ ہندوستان میں مسلم ہندوستان

لہٰذا ہندوستان جیسے ملک میں ایک ہم آہنگ مستقبل کی تشکیل کے لیے ارفع و اعلیٰ سطح پر فرقہ پرستی ناگریز ہے۔ یورپ کے ملکوں کی طرح ہندوستانی معاشرے کی اکائیاں علاقائی نہیں ہیں۔ ہندوستان ایک براعظم ہے جس میں مختلف نسلی گروہ مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف مذہب کے ماننے والے بستے ہیں۔ ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس موجود نہیں ہے جو ایک ہی نسل کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہندو بھی کوئی واحد اور ہم آہنگ جماعت نہیں ہے۔ ہندوستان پر یورپی جمہوریت کا اطلاق مذہبی فرقوں کی موجودگی کو تسلیم کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہندوستان کے اندر ایک مسلم ہندوستان قائم کیا جائے بالکل حق بجانب ہے۔ میری رائے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس (منعقدہ دہلی) کی قرارداد کے پیچھے یہی بلند نصب العین کارفرما ہے کہ ایک ہم آہنگ مستقبل کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اجزا کی انفرادیت کا گلا گھونٹنے کی بجائے انہیں

اس بات کا موقع دیا جائے کہ وہ ان تمام ممکنہ قوتوں کو بروئے کار لا سکیں جو ان میں پوشیدہ ہیں اور مجھے اس بات میں شبہ نہیں ہے کہ یہ ایوان پوری شد و مد سے اس قرارداد کے مطالبات کی تائید کرے گا۔

ذاتی طور پر میں ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے جانا چاہتا ہوں جو اس قرارداد میں پیش کیے گئے ہیں میری خواہش ہے کہ پنجاب، شمال مغربی صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک ہی ریاست میں مدغم کر دیا جائے۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ کم از کم ہندوستان کے شمال مغرب میں سلطنت برطانیہ کے اندر یا اس کے باہر ایک خود مختار حکومت اور شمالی مغربی متحدہ مسلم ریاست آخر کار مسلمانوں کا مقدر رہے۔ یہ تجویز نہرو کمیٹی کے سامنے پیش کی گئی تھی مگر کمیٹی نے اس بنا پر مسترد کر دی کہ اگر اس پر عمل درآمد کیا گیا تو اتنی وسیع ریاست وجود میں آجائے گی کہ جس کا انتظام مشکل ہو گا۔ جہاں تک رقبہ کا تعلق ہے یہ بات درست ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے مجوزہ ریاست بعض موجودہ ہندوستانی صوبوں سے چھوٹی ہو گی۔ انبالہ ڈویژن اور ممکن ہے ایسے اضلاع کو الگ کر دینے سے جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اس کی وسعت اور بھی کم ہو جائے گی۔ مسلمانوں کی تعداد میں غلبہ ہو گا وراس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اپنی حدود کے اندر یہ متحدہ ریاست غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت پوری قوت سے کر سکے گی۔ اس تجویز سے نہ انگریزوں کو پریشان ہونے کی ضرورت ہے نہ ہندوؤں کو۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اسلام کو ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ان بیشتر جاندار طبقوں کو ایک جگہ مرکوز کرنے سے جنہوں نے برطانیہ کی ناانصافیوں کے باوجود فوج اور پولیس میں شریک ہو کر انگریزوں کی حکومت کو ممکن بنایا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیا کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ اس سے ان کا احساس ذمہ داری قوی تر اور حب الوطنی کا جذبہ گہرا ہو جائے گا۔

لہذا، ہندوستان کے سیاسی جمہوریہ کے اندر ترقی کے مکمل مواقع کے حامل، شمال مغربی ہندوستانی مسلمان غیر ملکی حملے کے خلاف ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے، چاہے وہ یلغار نظریات کی ہو یا سنگینوں کی ہو۔ 56 فیصد مسلم آبادی والا پنجاب ہندوستانی فوج میں کل لڑاکا فوجیوں کا 54 فیصد سپلائی کرتا ہے، اور اگر آزاد ریاست نیپال سے بھرتی ہونے والے 19،000 گورکھوں کو خارج کر دیا جاتا ہے تو پنجاب کی تعداد پوری ہندوستانی فوج کا 62 فیصد ہے۔ اس اندازے میں وہ ۶ ہزار جنگجو شامل نہیں ہیں جو شمالی مغربی صوبہ سرحد اور بلوچستان سے بھرتی کیے جاتے ہیں۔ اس سے آپ ان تمام امکانات کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو بیرونی حملوں کے خلاف ہندوستان کے دفاع کے سلسلے میں شمالی مغربی ہندوستان کی مسلم آبادی میں پائے جاتے ہیں۔ رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری کا خیال ہے کہ شمال مغربی سرحد پر خود مختار مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ اس خواہش سے پیدا ہوا ہے کہ ضرورت پیش آئے تو حکومت ہند پر دباؤ ڈالا جا سکے۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے دل میں ایسا کوئی جذبہ موجود نہیں ہے جس کا وہ ہم پر الزام لگا رہے ہیں۔ مسلمانوں کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ بھی ترقی کر سکیں جو اس قسم کی وحدانی حکومت میں ممکن نہیں ہے جس کا تصور قوم پرست ہندو سیاست دانوں کے ذہن میں ہے۔ اور جس کے تحت پورے ہندوستان میں ہندوؤں کا مقصد مذہبی غلبہ پانا ہے۔

علاوہ ازیں ہندوؤں کو اس بات کا خوف بھی نہیں ہونا چاہیے کہ خود مختار مسلم ریاستوں کے قیام سے ایک طرح کی مذہبی حکومتوں کو وجود میں لایا جائے گا۔ اس سے پہلے میں یہ بتا چکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا مفہوم کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں کلیسائی نظام موجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی بہت پہلے معاہدہ اجتماعی کی صورت میں ہو چکا تھا۔ اس کے پیچھے ایک اخلاقی نصب العین کار فرما ہے جس کے تحت انسان کو کسی محدود علاقے کی زمین سے وابستہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ انسان ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی معاشرتی ترکیب کا زندہ متحرک جزو ہے اور چند حقوق و فرائض کا برتنے والا ہے۔ مسلم ریاست کے کردار کا اندازہ ٹائمز آف انڈیا کے اس اداریے سے لگایا جا سکتا ہے جو کچھ روز پہلے ہندوستانی بینکوں کی تحقیقاتی کمیٹی کے بارے میں لکھا گیا تھا۔ اخبار لکھتا ہے، ”ہندوستان میں سود کی شرح کے متعلق قانون بنانا حکومت کا فرض تھا لیکن باوجود یہ کہ اسلام میں سود لینا صریحاً ناجائز ہے مسلم دور میں ہندوستان کی اسلامی ریاستوں نے سود پر پابندیاں عائد نہیں کیں“۔

۴۔ وفاقی ریاستیں

میں ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے لیے ہی ایک متحدہ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ ہندوستان کے نقطہ نظر سے اس کا مطلب اندرونی توازن قوت کے باعث امن و سلامتی ہو گا۔ اور اسلام کے لیے یہ ایک موقع فراہم کرے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو جائے جو عربی شہنشاہیت نے اس پر ڈال دیے تھے۔ اور اپنے قوانین اپنی تعلیم اور اپنے تمدن کو حرکت میں لا کر ان کی اصل روح اور عصر جدید کی روح سے رابطہ قائم کر سکے۔ اس طرح یہ بات واضح ہے کہ آب و ہوا، نسل، زبان، مسلک اور معاشرتی نظام میں ہندوستان کی لاتعداد اقسام کے پیش نظر، زبان، نسل، تاریخ، مذہب اور معاشی مفادات کی شناخت کے اتحاد پر مبنی خود مختار ریاستوں کا قیام ہی ہندوستان میں مستحکم آئینی ڈھانچے کو محفوظ بنانے کا ممکنہ طریقہ ہے۔ سائمن رپورٹ میں وفاق کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اس کے ماتحت یہ بھی ضروری ہے کہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کو عوام کی منتخب کردہ اسمبلی کی حیثیت سے ختم کر دیا جائے اور اسے وفاق کی ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ایوان کی صورت دی جائے۔ اس کے علاوہ سائمن رپورٹ میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ موجودہ صوبوں کی تقسیم بھی تقریباً انہیں اصولوں کی بنیاد پر از سر نو ہونی چاہیے جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ میں اس نقطہ نظر کی دل سے تائید کرتا ہوں بلکہ یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ صوبوں کی تقسیم میں دو شرطوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اولاً یہ تقسیم نئے دستور کے اجرا سے پہلے عمل میں آنی چاہیے ثانیاً یہ اس طرح ہونی چاہیے کہ فرقہ وارانہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے ہو جائے اگر صوبوں کی تقسیم مناسب طریقے سے کی گئی تو مخلوط اور جداگانہ انتخاب کا جھگڑا ہندوستان کے آئین نزع سے خارج ہو جائے گا۔

اس بحث و تکرار کا باعث بڑی حد تک صوبوں کی موجودہ تقسیم ہے ہندو کا خیال ہے کہ جداگانہ انتخاب قوم پرستی کی سپرٹ کے خلاف ہے۔ چونکہ اس کے خیال میں قوم کا مفہوم یہ ہے کہ تمام باشندے اس طرح خلط ملط ہو جائیں کہ کوئی مذہبی گروہ اپنی انفرادیت قائم نہ رکھ سکے لیکن درحقیقت صورت حال ایسی نہیں ہے اور نہ ہم چاہتے ہیں کہ ایسی ہو۔ ہندوستان میں مختلف نسلیں اور مذاہب موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی اقتصادی پستی ان پر قرضوں کا بوجھ خصوصاً پنجاب میں اور صوبوں کی موجودہ تقسیم کے مطابق بعض صوبوں میں ان کی ناکافی اکثریت کو مدنظر رکھیے تو آپ پر یہ روشن ہو گا کہ وہ جداگانہ انتخاب کے لیے اس قدر مضطرب کیوں ہیں۔ ایسے ملک میں اور ایسے حالات میں علاقائی انتخابی مفادات تمام افراد کی مناسب نمائندگی حاصل نہیں کر سکتے ہیں، اور لازمی طور اس کا نتیجہ صرف یہ ہو گا کہ ایک گروہ کا غلبہ قائم ہو جائے گا۔ لیکن اگر صوبوں کی تقسیم اس طور پر ہو جائے کہ ہر صوبے میں کم و بیش ایسی ملتیں بستی ہوں جن میں لسانی، نسلی، تمدنی اور مذہبی اتحاد پایا جاتا ہے تو مسلمانوں کو علاقائی حلقہ ہائے انتخاب پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔

۵۔ وفاق بمطابق سائمن کمیشن رپورٹ

لیکن جہاں تک مرکزی وفاق کے اختیارات کا تعلق ہے ہندوستان اور انگلستان کے پنڈتوں نے جو دستور تجویز کیے ہیں ان سے اس باریک اختلاف کا پتہ چل جاتا ہے جو دونوں کی نیتوں میں پایا جاتا ہے۔ ہندوستان کے پنڈت مرکزی حکومت کے موجودہ اختیارات میں ذرا بھی کمی نہیں چاہتے ان کی صرف یہ خواہش ہے کہ یہ حکومت پوری طرح مرکزی مجلس مقننہ کے سامنے جواب دہ ہو۔ جن میں ان کی اکثریت اس وقت اور بھی زیادہ طاقت ور ہو جائے گی جب ممبروں کی نامزدگی کا طریقہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے برعکس انگلستان کے پنڈتوں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اگر جمہوریت کا اطلاق مرکز میں کیا گیا تو یہ ان کے مفاد کے خلاف ہو گا۔ اور جمہوریت کو زیادہ ترقی ہوئی تو عین ممکن ہے کہ مرکز وہ تمام اختیارات بھی حاصل کر لے جو فی الوقت ان کے ہاتھوں میں ہیں اس لیے انہوں نے طے کیا کہ جمہوریت کا تجربہ مرکز کی بجائے صوبوں میں کیا جائے۔ بے شک وہ وفاق کے اصول کو بروئے کار لا رہے ہیں اس کے متعلق تجاویز پیش کر کے بظاہر آغاز کار کر رہے ہیں پھر بھی ان کے اس اصول کی تشخیص کا اندازہ ان خیالات سے کیا جاتا ہے جو مسلم ہندوستان کی نظر میں اس کی اہمیت کا تعین کرتے ہیں۔ مسلمان وفاقی حکومت کا مطالبہ اس لیے کرتے ہیں کہ یہ خاص طور پر ہندوستان کے سب سے مشکل مسئلے یعنی فرقہ وارانہ مسئلے کا حل ہے۔ لیکن وفاقی حکومت کے متعلق شاہی کمیشن کا نقطہ نظر گو اصولاً درست ہے لیکن اس کا مقصد وفاق کی ریاستوں میں خود مختار حکومتوں کا قیام نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ اس صورت حال سے فرار کا ذریعہ فراہم کرنے سے آگے نہیں بڑھتا ہے جو ہندوستان میں جمہوریت کے تعارف نے انگریزوں کے لئے پیدا کیا ہے اور فرقہ وارانہ مسئلے کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے جہاں تہاں چھوڑ دیا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں تک حقیقی وفاق کا تعلق ہے سائمن کمیشن نے وفاق کے اصل اصول کی درحقیقت نفی کر دی ہے۔ نہرو رپورٹ (بنانے والوں) نے یہ بھانپ لیا کہ اس طرح پورے ہندوستان پر ہندوؤں کا غلبہ ممکن ہو جائے گا۔ سائمن رپورٹ ایک غیر حقیقی وفاق کے باریک پردے کے پیچھے موجودہ برطانوی اقتدار کو قائم رکھنا چاہتی ہے۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ قدرتی طور پر برطانیہ اس اقتدار کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتا جو اب تک اسے حاصل رہا ہے۔ اور کچھ اس لیئے کہ اگر فرقہ وارانہ مسئلے کا فیصلہ نہ ہوا تو پھر اقتدار مستقل اپنے قبضے میں رکھنے کا برطانیہ کو اچھا بہانہ مل جائے گا۔ میں ایک آزاد ہندوستان میں وحدانی طرز حکومت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جن اختیارات کو فاضل اختیاراتresiduary powers کہا جاتا ہے وہ تو یقیناً خود مختار ریاستوں کو ملنے چاہئیں۔ مرکزی وفاقی حکومت کے ہاتھ میں صرف وہ اختیارات ہونے چاہئیں جو وفاق کی ریاستیں واضح طور پر اپنی مرضی سے اس کے سپرد کر دیں میں ہندوستان کے مسلمانوں کو کبھی یہ مشورہ نہیں دوں گا کہ وہ کسی ایسے نظام حکومت پر راضی ہوں خواہ وہ برطانیہ سے آئے یا ہندوستان میں وضع ہو جو حقیقی وفاق کے اصول کی نفی کر دے اور ان کی جداگانہ سیاسی حیثیت کو تسلیم نہ کرے۔

٦۔ گول میز کانفرنس میں بحث کی گئی وفاقی اسکیم

مرکزی نظام حکومت میں تبدیلی کی ضرورت کو اس سے بہت پہلے محسوس کر لیا گیا تھا جب برطانیہ نے ردوبدل کے لیے یہ موثر ذریعہ دریافت کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آخر کار یہ اعلان کیا گیا تھا کہ گول میز کانفرنس میں ہندوستانی والیان ریاست کی شرکت بہت ضروری ہے۔ ہندوستان کے لوگوں بالخصوص اقلیتوں کو اس سے بات سے بڑی حیرت ہوئی کہ والیان ریاست نے گول میز کانفرنس میں ڈرامائی طور پر یہ اعلان کر دیا کہ وہ کل ہند وفاق میں شامل ہونے کو تیار ہیں۔ ان کے اس اعلان کے بعد ہندو مندوبین نے جو اب تک وحدانی طرز حکومت کے پرزور تائید کنندہ تھے چپکے سے وفاق کی سکیم کو منظور کر لیا۔ حتیٰ کہ مسٹر شاستری جنہوں نے حال ہی میں سر جان سائمن پر اس لیے سخت نکتہ چینی کی تھی کہ انہوں نے ہندوستان کے لیے وفاق طرزِ حکومت کی سکیم کی سفارش کیوں کی اب وہ بھی دفعتاً وفاق کا کلمہ پڑھنے لگے۔ اور کانفرنس کے بھرے اجلاس میں انہوں نے اس کا اعلان بھی کر دیا اور اس طرح برطانوی وزیر اعظم کو انہوں نے موقع فراہم کیا کہ وہ اپنی آخری تقریر میں ایک نہایت برجستہ جملہ چست کریں۔ یہ تمام باتیں برطانیہ کے لیے بھی ایک خاص مفہوم رکھتی ہیں جو وفاق میں والیان ریاست کی شرکت کے خواہاں تھے اور ہندوؤں کے لیے بھی جنہوں نے بلا تامل کل ہند وفاق کے قیام کو منظور کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وفاق کی سکیم میں ہندوستانی والیان ریاست کی شرکت سے جن میں سے صرف چند ہی مسلمان ہیں دو مقصد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو اہم ترین مقصد ہے کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار تقریباً اسی طرح قائم رہے گا جیسے اب ہے اور دوسری طرف کل ہند وفاقی اسمبلی میں اس کے ذریعے ہندوؤں کو بے انتہا اکثریت حاصل ہو جائے گی۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت کی آخری شکل کے بارے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے انگریز والیان ریاست کے ذریعے نہایت چالاکی کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور خود والیان ریاست کو اس سکیم میں اپنی آمرانہ حکومت کا تحفظ نظر آیا ہے۔ اگر مسلمانوں نے خاموشی کے ساتھ اس قسم کی سکیم کو منظور کر لیا تو ہندوستان میں ان کا سیاسی وجود بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ اس طرح ہندوستانی وفاق کی پالیسی میں والیان ریاست کا غلبہ ہو گا جن کی تعداد وفاقی اسمبلی میں بڑی ہو گی۔ برطانوی سامراج کے مفاد کے معاملات میں وہ ہمیشہ تاج برطانیہ کا ساتھ دیں گے اور جہاں تک ملک کے داخلی نظم و نسق کا تعلق ہے وہ ہندوؤں کے تسلط و اقتدار کو قائم رکھنے اور مضبوط کرنے میں مدد دیں گے۔ دوسرے الفاظ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسکیم ہندو ہندوستان اور برطانوی سامراج کے درمیان ایک قسم کی مفاہمت ہے۔ یعنی یہ کہ اگر تم ہندوستان میں میری موجودگی کو مستقل کر دو تو میں اس کے بدلے میں ایسی ہندو حکومت قائم کرنے دوں گا جو دوسرے ہندوستانی فرقوں پر دوامی تسلط رکھے گی۔ اس لیے اگر برطانوی ہندوستان کے صوبوں کو حقیقی خود مختار ریاستوں میں تبدیل نہ کیا گیا تو وفاق میں والیان ریاست کی شرکت کا مطلب صرف یہی لیا جا سکتا ہے کہ برطانوی سیاست دانوں نے نہایت چابکدستی سے اپنے اختیارات سے دست بردار ہوئے بغیر تمام جماعتوں کو بہلانے کی کوشش کی ہے... مسلمانوں کو لفظ "وفاق" سے، ہندوؤں کو مرکز میں میں اکثریت دے کر اور برطانوی سامراجیت کو خواہ وہ ٹوری پارٹی کے ہوں یا لیبر کے حقیقی اختیارات کی قوت کے ذریعے۔

ہندوستان میں ہندو ریاستوں کی تعداد مسلم ریاستوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ انہیں مرکزی وفاقی اسمبلی میں ۳۳ فیصد نشستیں حاصل ہوں ایسے ایوان یا ایوانات میں کیونکر پورا کیا جائے گا جو دیسی ریاستوں اور برطانوی ہندوستان دونوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ مسلمان مندوبین وفاقی سکیم کے مفہوم کو جس پر گول میز کانفرنس میں بحث ہوئی تھی خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ابھی مجوزہ کل وفاق میں مسلمانوں کی نیابت کے سوال پر بحث ہونی باقی ہے۔ رائٹر کی ایک مختصر اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ عبوری رپورٹ کے مطابق دو ایوان تجویز کیے گئے ہیں۔ ان دونوں میں برطانوی اور ہندو دیسی ریاستوں کے نمائندے شریک ہوں گے لیکن ان کی تعداد کے تناسب پر بعد میں غور کیا جائے گا۔ اور ان عنوانات کے ذیل میں شمار کیا جائے گا جنہیں ابھی تک سب کمیٹی کے ذمے نہیں کیا گیا۔ میری رائے میں تناسب کا سوال نہایت اہم ہے اور اسمبلی کی ہئیت ترکیبی پر بحث کے ساتھ ساتھ ہی اس موضوع پر بھی بحث ہونی چاہیے تھی۔

میرے خیال میں سب سے بہتر طریقہ یہ تھا کہ ابتدا برطانوی ہند کے وفاق سے کی جاتی۔ جمہوریت اور استعمار کے مابین ایک ناپاک اتحاد کی وجہ سے پیدا ہونے والی ایک وفاقی اسکیم برٹش ہند کو مرکز میں وحدانی حکومت کے اسی شیطانی دائرے میں رکھ سکتی ہے۔ اس قسم کا وحدانی طرزِ حکومت خود برطانیہ، ہندوستان کی اکثریتی قوم اور والیانِ ریاست کیلئے سود مند ہو سکتا ہے لیکن مسلمانوں کے لیے بے فائدہ ہے، جب تک کہ انہیں گیارہ میں سے پانچ ہندوستانی صوبوں میں اکثریتی حقوق اور پورے پورے فاضل حقوق اور مرکزی وفاقی اسمبلی میں ایک تہائی نشستیں حاصل نہ ہو جائیں۔ جہاں تک برطانوی ہند کے صوبوں میں خود مختارانہ حقوق کے حصول کا تعلق ہے ہز ہائی نس والی بھوپال سر اکبر حیدری اور مسٹر جناح کا رویہ بالکل حق بجانب ہے

چونکہ اب والیان ریاست بھی وفاق میں شامل ہو رہے ہیں ہمیں چاہیے کہ برطانوی ہند کی اسمبلی میں نیابت کے سوال کو اس نئی روشنی میں دیکھیں۔ اب یہ سوال محض برطانوی ہند کی اسمبلی میں مسلمانوں کی شرکت کا نہیں رہا بلکہ یہ مسئلہ کل ہند وفاقی اسمبلی میں برطانوی ہند کے مسلمانوں کی نیابت سے متعلق ہے۔ اب ہمارا مطالبہ یہ ہونا چاہیے کہ کل ہند وفاقی اسمبلی میں ہمیں ۳۳ فی صد نشستیں حاصل ہوں اور یہ نشستیں وفاق میں شامل ہونے والی مسلم ریاستوں کے علاوہ ہوں گی۔

۷۔ دفاع کے مسائل

ہندوستان میں وفاقی نظام کی کامیابی کے سلسلے میں دوسرا مشکل مسئلہ ہندوستان کے دفاع کا مسئلہ ہے۔ شاہی کمیشن نے ہندوستان کی تمام تر کمزوریوں کا ذکر کیا ہے تاکہ فوج کے نظم ونسق کو برطانوی سامراجی انتظامیہ کے ہاتھ میں سونپنے کا جواز پیدا کیا جائے۔ کمشنرز نے کہا ہے کہ: "ہندوستان اور برطانیہ کا تعلق اس قسم کا ہے کہ ہندوستان کے دفاع کا مسئلہ نہ اس وقت اور نہ مستقبل قریب میں محض ہندوستانی مسئلہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ فوج کے نظم ونسق پر لازماً سلطنت برطانیہ کے ایجنٹوں کا کنٹرول ہونا چاہیے"۔ کیا اس کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ جب تک برطانوی افسروں اور سپاہیوں کی مدد کے بغیر دفاع کے معاملات سے نپٹنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے، برطانوی ہند کے لیے ذمہ دارانہ حکومت کا راستہ بند رہے گا۔ موجودہ صورت یہ ہے کہ آئینی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کھڑی ہوئی ہے۔ نہرو رپورٹ میں اس رویے کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ آئندہ جو بھی تبدیلی ہو گی اس میں فوج کا نظم ونسق ایک منتخب شدہ اسمبلی کے اختیار میں رہے گا۔ اگر یہی رویہ قائم رہتا ہے تو اس بات کی تمام امیدیں نامعلوم مدت تک کے لیے خطرے میں پڑ جائیں گی کہ مرکزی حکومت بہ تدریج اس آخری منزل کی طرف ترقی کرے جو ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان میں تجویز کی گئی تھی۔ اپنی دلیل کو مزید مستحکم بنانے کے لیے وہ ممبران کمیشن اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مختلف مذاہب اور متضاد نسلوں میں جن کی صلاحیتیں جداگانہ قسم کی ہیں مقابلے کی دوڑ ہو رہی ہے۔ اور یہ کہہ کر مسئلے کو ناقابل حل بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندوستان کے جنگجو نسلی گروہوں اور بقیہ لوگوں کے درمیان جو فرق ہے اس سے خصوصاً یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستانی مروجہ اصطلاح اور قدرتی سوچ کے مطابق ایک قوم نہیں ہو سکتے۔ مسئلے کے ان پہلوؤں پر زور دینے کا مقصد یہ ہے کہ برطانیہ نہ صرف بیرونی خطرات سے ہندوستان کا بچاؤ کر سکتا ہے بلکہ اس کے داخلی امن وامان کے لیے بھی وہ ایک غیر جانبدار محافظ بنا رہے۔

بہر کیف وفاق کا جو تصور میرے ذہن میں ہے اس کے مطابق وفاق ہندوستان میں مسئلے کا ایک پہلو باقی رہ جائے گا، یعنی خارجی حملوں سے ہندوستان کا تحفظ۔ صوبائی فوجوں کے علاوہ جو بہرحال اندرونی امن قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں ہندوستانی وفاقی کانگریس شمالی مغربی سرحد پر ایک طاقت ور

سرحدی فوج تعینات کر سکتی ہے جس میں ہر صوبے کے سپاہی شامل ہوں گے، اور جس کی قیادت ہر فرقے کے لائق و تجربہ کار افسر کریں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان کے پاس لائق فوجی افسر نہیں ہیں اور اسی عذر کو شاہی کمشنرز دولت برطانیہ کے ہاتھوں میں فوجی نظم ونسق سپرد کرنے کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ لیکن میں اسی رپورٹ کا ایک اور اقتباس پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا جو میرے خیال میں کمشنرز کے دعوے کے خلاف بہترین دلیل ہے رپورٹ میں کہا گیا ہے، "اس وقت کوئی ہندوستانی جسے بادشاہ کی طرف سے فوجی کمیشن ملا ہے کپتان سے زیادہ اونچے عہدے پر فائز نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں کپتانوں کی کل تعداد ۳۹ ہے جن میں سے ۲۵ غیر معمولی رجمنٹوں میں تعینات ہیں۔ ان میں سے بعض کی عمر اتنی زیادہ ہے کہ اگر وہ پنشن ملنے سے پہلے ضروری امتحانات پاس بھی کر لیں تو بہت زیادہ اونچے عہدے حاصل نہیں کر سکتے۔ ان میں سے اکثر سینڈھرسٹ نہیں گئے انہیں جنگ عظیم کے دوران کمیشن دیے گئے تھے"۔ اب یہ خواہش کتنی ہی سچی اور صورت حال میں تغیر کی کوشش کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہو اسکین کمیٹی Skeen Committee نے جس کے تمام اراکین سوائے چیئرمین اور فوجی محکمے کے سیکرٹری کے ہندوستانی تھے نہایت پرزور اور موثر الفاظ میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے، "ترقی کا انحصار اس شرط پر ہے کہ ہر مرحلے پر کامیابی حاصل کی جائے اور جنگی لیاقت کو قائم رکھا جائے گو یہ صورت بہرحال تدریجی اور سست رفتار ہو گی۔ ہندوستان کے موجودہ افسروں میں سے جو جونیئر عہدوں پر ہیں اور محدود تجربہ رکھتے ہیں تھوڑے سے عرصے میں اعلیٰ کمان پیدا نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہو گا جب تک افسری کے ہندوستانی امیدواروں کی موجودہ مختصر سی تعداد میں اضافہ نہ ہو جائے... اور ہم اس اضافے کے دل سے خواہش مند ہیں... اور جب تک کافی تعداد میں ہندوستانیوں کو افسری کے لائق تجربہ و تربیت حاصل نہ ہو جائے... فوجی نظم ونسق ہندوستانیوں کے ہاتھ میں دینے کی پالیسی کو اس نقطہ انتہا تک پہنچنے کے لیے جب کہ پوری فوج ہندوستانی ہو جائے آگے نہیں لے جایا جا سکتا جب تک کہ کچھ ہندوستانی رجمنٹوں کو ان آزمائشوں سے گزرنے کا موقع نہ ملے۔ جس سے ان کی لیاقت کا اندازہ ہو سکے اور جب تک ہندوستانی افسر کامیاب فوجی ملازمت کے بعد اعلیٰ کمان حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جائیں یہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی اور ان تمام باتوں کے باوجود بھی مکمل ہندوستانی فوج کے معرض وجود میں آنے میں برسوں لگیں گے۔"

اب میں اس سوال کی جرات کرتا ہوں کہ اس صورت حال کا ذمہ دار کون ہے کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری جنگجو قوموں میں کوئی فطری کمزوری ہے، یا اس کی وجہ یہ ہے کہ فوجی تربیت کی رفتار سست ہے۔ ہماری جنگجو قوموں کی فوجی صلاحیتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ فوجی تربیت کی رفتار دوسرے قسام کی تربیتوں کے مقابلے میں سست ہو سکتی ہے۔ میں اس مسئلے کا فیصلہ کرنے کے یے عسکری ماہر نہیں ہوں۔ لیکن ایک عام آدمی کی حیثیت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس دلیل کو جس انداز سے پیش کیا گیا ہے اس سے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ لامتناہی ہو گا۔ اس کا مطلب ہندوستان کی مستقل غلامی ہو گا۔ لہٰذا یہ اور بھی ضروری ہے کہ نہرو رپورٹ کی تجویز کے مطابق سرحدی فوج کا نظم ونسق ایک دفاعی کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے جس کے ارکان کے ناموں کا فیصلہ باہمی تصفیہ کے مطابق کیا جائے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ سائمن رپورٹ نے ہندوستان کی بری سرحدوں کو تو غیر معمولی اہمیت دی ہے لیکن بحری پوزیشن کی طرف محض سرسری اشارہ کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کو ہمیشہ بری سرحدوں کی طرف سے آنے والے حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کے موجودہ آقاؤں نے اس ملک پر اس سبب سے قبضہ کر لیا ہے کہ اس کے ساحل غیر محفوظ تھے۔ فی زمانہ ایک خود مختار اور آزاد ہندوستان کو بری سرحدوں سے زیادہ اپنے ساحلوں کی حفاظت ضروری ہو گی۔

مجھے اس بات میں شبہ نہیں ہے کہ مسلم وفاقی ریاستیں اگر قائم ہو گئیں تو ہندوستان کے دفاع کی خاطر وہ غیر جانبدار ہندوستانی بری اور بحری افواج کے قیام پر خوشی سے راضی ہو جائیں گی مغلوں کے دور حکومت میں ہندوستان کی حفاظت کے لیے اس قسم کی غیر جانبدارانہ فوج ایک حقیقت تھی۔ بلکہ اکبر کے زمانے میں ہندوستانی سرحدوں کی حفاظت ایسی فوج کرتی تھی، جس میں افسر ہندو جرنیل تھے۔ مجھے اس بات کا بھی پکا یقین ہے کہ وفاقی ہند کی بنیاد پر غیر جانبدار فوج کے قیام کی صورت میں مسلم وفاداری کے جذبات کو فروغ حاصل ہو گا اور یہ خدشات نہیں رہیں گے کہ کچھ ہندوستانی مسلمان سرحد پار سے آنے والے مسلمان حملہ آوروں کے ساتھ مل جائیں گے۔ بلکہ اس قسم کی بدگمانی ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گی۔

۸۔ متبادل

میں نے مختصراً اس طریق کار کی طرف اشارہ کر دیا ہے جس کی روشنی میں میری رائے میں مسلمانان ہند کو ہندوستان کے دو اہم ترین مسائل کو دیکھنا چاہیے۔ مسلمانان ہند کا اہم ترین مطالبہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کا مستقل تصفیہ کرنے کے لیے برطانوی ہند کے صوبوں کی از سر نو تشکیل کی جائے۔ لیکن اگر فرقہ وارانہ مسئلے کا علاقائی حل نظر انداز کیا جاتا ہے تو پھر میں نہایت شد و مد سے مسلمانوں کے ان مطالبات کی تائید کروں گا جن پر آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم کانفرنس نے بار بار زور دیا ہے ہندوستان کے مسلمان کبھی ایسی آئینی تبدیلی پر راضی نہیں ہوں گے جس سے پنجاب اور بنگال میں ان کے اکثریتی حقوق پر اثر پڑے جو جداگانہ انتخابات کے ذریعے حاصل کیے جائیں گے یا مرکزی اسمبلی میں ان کی ۳۳ فی صد نمائندگی کی ضمانت نہ دی جائے گی۔

مسلمان سیاسی لیڈر دو گڑھوں میں گر چکے ہیں۔ پہلا گڑھا مسترد شدہ میثاق لکھنو تھا جو ہندوستانی قومیت کے غلط تصور کی پیداوار تھا۔ اس سے مسلمان ہندوستان میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے تمام مواقع سے محروم ہو گئے۔ دوسرا گڑھا پنجاب کے نام نہاد دیہاتی باشندوں کے مفاد کے بہانے سے

اسلامی اتحاد کی ناعاقبت اندیشانہ قربانی تھی۔ اس کا نتیجہ ایک ایسی تجویز میں ظاہر ہوا جس نے مسلمانان پنجاب کو اقلیت میں تبدیل کر دیا ہے۔ لیگ کا فرض ہے کہ وہ میثاق اور تجویز دونوں کی مذمت کرے۔

سائمن رپورٹ نے مسلمانوں کے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے۔ اس لیے کہ اس میں پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت کی سفارش نہیں کی گئی۔ اس طرح یا تو مسلمان میثاق لکھنو کے پابند رہیں گے یا مخلوط انتخاب کی سکیم کو اختیار کریں گے۔ سائمن رپورٹ کے متعلق حکومت ہند کے مراسلے میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ جب سے یہ دستاویز شائع ہوئی ہے مسلم قوم رپورٹ کی دونوں تجاویز میں سے کسی ایک کو بھی پسند کرنے پر راضی نہیں ہوئی۔ مراسلے میں تسلیم کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شکایت بجا ہو سکتی ہے کہ پنجاب اور بنگال کی کونسلوں میں آبادی کے تناسب سے ان کی نمائندگی کا حق محض اس لیے چھین لیا گیا ہے کہ دوسرے صوبوں میں مسلم اقلیتوں کو مزید نمائندگی یا پاسنگ Weightage کا حق دے دیا گیا ہے۔ لیکن حکومت ہند کے مراسلے میں سائمن رپورٹ کی اس ناانصافی کی تلافی کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے... اور اہم نکتہ ہے... رپورٹ اس محتاط و متوازن اسکیم کی تائید کرتی ہے جو پنجاب کی حکومت کے سرکاری ممبروں نے تیار کی ہے۔ اور جس کے مطابق مسلمانان پنجاب کو ہندوؤں اور سکھوں پر دو فیصد اکثریت حاصل ہو گی اور پورے ایوان میں ان کا تناسب ۴۹ فیصد ہو گا۔ ظاہر ہے کہ پنجاب کے مسلمان پورے ایوان میں قطعی اکثریت سے کم پر مطمئن نہیں ہوں گے۔ بہر حال لارڈ ارون اور ان کی حکومت نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اقلیتی فرقوں کے لیے فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب کا جواز اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک رائے دہندگی کا حق اتنا وسیع نہ ہو جائے کہ ووٹوں کی طاقت سے ان کی کل آبادی کی رائے کا صحیح اظہار ہو سکے۔ اور جب تک صوبائی کونسلوں کے مسلمان ممبر دو تہائی کی اکثریت سے بالاتفاق جداگانہ انتخاب سے دست بردار ہونے کو تیار نہ ہو جائیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کی شکایت کو بجا سمجھنے کے باوجود حکومت ہند کو یہ جرات کیوں نہ ہوئی کہ پنجاب اور بنگال میں وہ مسلمانوں کیلئے آئینی اکثریت کی سفارش کرتی۔

نہ ہی ہندوستان کے مسلمان ایسی کسی تبدیلی سے اتفاق کر سکتے ہیں جو کم از کم سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنانے میں ناکام ہو جائے اور شمال مغربی سرحدی صوبے کو کمتر سیاسی حیثیت کا صوبہ سمجھے۔ میرے خیال میں کوئی وجہ نہیں کہ سندھ و بلوچستان کو ملا کر کیوں نہ الگ صوبہ بنا دیا جائے۔ سندھ اور بمبئی پریذیڈنسی میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے۔ شاہی کمیشن کی رائے میں زندگی اور تمدن کے لحاظ سے سندھ ہندوستان کے مقابلے میں میسوپوٹامیا (عراق) اور عرب سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ یہی مشابہت دیکھ کر عرصہ ہوا کہ مسلمان جغرافیہ داں مسعودی نے لکھا تھا، "سندھ ایسا ملک ہے جو بلاد اسلامیہ سے قربت رکھتا ہے"۔ مصر کے متعلق پہلے اموی خلیفہ نے کہا تھا کہ مصر کی پشت افریقہ کی جانب اور چہرہ عرب کی جانب ہے۔ مناسب ردوبدل کے بعد یہی قول سندھ کی صحیح پوزیشن کے متعلق بھی دہرایا جا سکتا ہے کہ اس کی پشت ہندوستان کی طرف اور چہرہ وسط ایشیا کی جانب ہے۔ علاوہ ازیں اگر سندھ کے زراعتی مسائل کو مد نظر رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ بمبئی کی حکومت کو اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور اس کے لامحدود تجارتی امکانات کو دیکھتے

ہوئے جن کا انحصار اس بات پر ہے کہ کراچی ایک دن لازماً ہندوستان کا دوسرا دارالسلطنت ہو گا تو میرے خیال میں یہ مصلحت کے خلاف ہے کہ ایک ایسی پریذیڈنسی سے اس کا الحاق ہو جس کا رویہ آج بے شک دوستانہ ہے لیکن جو تھوڑے ہی عرصے کے بعد حریفانہ ہو جائے گا۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کے راستے میں کوئی مالی مشکلات حائل ہیں۔ اس موضوع پر میں نے کوئی مستند بیان نہیں دیکھا۔ لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ایسی مشکلات موجود ہیں کوئی وجہ نہیں ہے کہ حکومت ہند ایک ایسے صوبے کو جس کا مستقبل امید افزا ہے اس کی آزادانہ ترقی کی جدوجہد کے لیے مالی امداد کیوں نہیں دے سکتی۔

جہاں تک شمال مغربی سرحدی صوبے کا تعلق ہے یہ امر تکلیف دہ ہے کہ شاہی کمیشن نے اس صوبے کے باشندوں کو اصلاحات کا حق دیا ہی نہیں...اس کی سفارشات برےBray کمیٹی کی سفارشات سے بھی پیچھے ہیں اور محض چیف کمشنر کی مطلق العنانی پر پردہ ڈالنے کا ذریعہ ہوں گی۔ افغانوں سے سگریٹ جلانے کا پیدائشی حق محض اس لیے چھین لیا گیا کہ وہ بارود خانے میں رہتے ہیں۔ شاہی کمشنروں کی یہ استعاروں والی دلیل کتنی ہی پر لطف کیوں نہ ہو لیکن یہ تشفی بخش نہیں ہے۔ سیاسی اصلاح آگ نہیں روشنی ہے۔ اور ہر شخص جو خواہ وہ بارود خانے میں رہتا ہو یا کوئلے کی کانوں میں، اسے روشنی حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ افغان بہادر اور ذہین ہیں اور اپنے جائز مقاصد کے لیے وہ تکلیفیں اٹھانا بھی جانتے ہیں، اس لیے اگر ان کی ترقی کے مواقع میں رکاوٹ ڈالی گئی تو وہ یقیناً ناراض ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو راضی رکھنا ہندوستان اور انگلستان دونوں کے حق میں بہتر ہو گا۔ حال ہی میں اس بدقسمت صوبے میں جو کچھ ہوا ہے اس کا باعث یہاں کے باشندوں کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا دہ سلوک ہے جو بقیہ ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کے اصول کو نافذ کرنے کے بعد شروع ہوا۔ مجھے امید ہے کہ برطانوی مدبرین اس صورت حال سے آنکھیں بند کر کے اس کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونے دیں گے کہ صوبے میں جو بے چینی پیدا ہوئی ہے۔ وہ خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔

حکومت ہند کے مراسلے میں شمالی مغربی صوبہ سرحد کے لے جن چند اصلاحات کے نفاذ کی سفارش کی گئی ہے وہ بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ بے شک یہ مراسلہ سائمن کمیشن سے ایک قدم آگے ہے چونکہ اس میں ایک طرح کی نمائندہ کونسل اور ایک نیم منتخب کابینہ کی سفارش کی گئی ہے۔ لیکن حکومت کے مراسلے میں اس اہم مسلم صوبے کو دوسرے ہندوستانی صوبوں کے برابر درجہ نہیں دیا گیا۔ گو واقعہ یہ ہے کہ افغان فطری طور پر ہندوستان کے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں جمہوری اداروں کو برتنے کے زیادہ اہل ہیں۔

۹۔ گول میز کانفرنس

میرا خیال ہے کہ اب مجھے گول میز کانفرنس پر کچھ تبصرہ کرنا چاہیے ذاتی طور پر مجھے اس کانفرنس کے نتائج سے زیادہ امید نہیں ہے۔ خیال یہ تھا کہ فرقہ ورانہ جنگ و جدال کے مقام سے دور رہ کر بدلی ہوئی فضا میں ہوش مندی سے کام لیا جائے اور ہندوستان کے دو سب سے بڑے فرقوں میں حقیقی صلح صفائی کے بعد ہندوستان کی آزادی کی صورت نکل آئے گی۔ لیکن واقعات کا رخ اس کے برعکس ہوا۔ درحقیقت لندن میں فرقہ ورانہ سوال پر بحث میں پہلے سے زیادہ یہ واضح ہو گیا کہ ہندوستان کے بڑے تمدنی فرقوں میں کتنا گہرا اختلاف ہے لیکن وزیر اعظم انگلستان بظاہر اس امر سے انکار کرتے ہیں کہ ہندوستان کا مسئلہ قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ... میری حکومت کے لیے یہ مشکل ہے کہ پارلیمنٹ کے سامنے جداگانہ انتخاب کو برقرار رکھنے کی سفارش پیش کرے اور اس لیے کہ مخلوط انتخاب برطانوی جمہوریت پسندی کے جذبات سے بہت زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ بظاہر انہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ برطانوی جمہوریت کا ڈھانچا ایسے ملک میں فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا جہاں بہت سی قومیں آباد ہوں دراصل اس مسئلے کو علاقائی طور پر حل کرنا چاہیے تھا۔ جداگانہ انتخاب بھی اس کے مقابلے میں گھٹیا حل ہے۔ یہ بھی امید نہیں ہے کہ اقلیتوں کی ذیلی کمیٹی بھی کوئی اطمینان بخش حل پیش کر سکے گی۔ یہ پورا معاملہ برطانوی پارلیمان کے سامنے پیش کرنا پڑے گا اب ہمیں یہی امید رکھنی چاہیے کہ برطانوی قوم کے باریک بیں نمائندے اکثر ہندوستانی سیاست دانوں کے برعکس حالات کی تہہ تک پہنچ جائیں گے۔ اور ہندوستان جیسے ملک میں امن و سلامتی کی اصل بنیاد کو دیکھ لیں گے۔ ایسا دستور بنانا جو اس نظریہ پر مبنی ہو کہ ہندوستان میں ایک قوم بستی ہے یا ہندوستان پر برطانوی جمہوریت کے اصولوں کو نافذ کرنے کی کوشش کرنا دراصل نادانستہ طور پر ہندوستان کو خانہ جنگی کے لیے تیار کرنا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ہندوستان میں اس وقت تک امن وامان قائم نہیں ہو سکتا جب تک ان تمام قوموں کو جو یہاں بستی ہیں جدید طور پر آزادانہ ترقی کے مواقع اس طرح فراہم نہ کیے جائیں جس سے ماضی سے ان کا رشتہ بھی منقطع نہ ہونے پائے۔

مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت حاصل ہوتی ہے کہ ہمارے مسلمان مندوبین کو ہندوستان کے اس مسئلے کے مناسب حل کی اہمیت کا جسے میں بین الاقوامی مسئلہ کہتا ہوں پوری طرح احساس ہے۔ ان کا یہ اصرار بالکل بجا ہے کہ مرکزی حکومت کی ذمہ داری کا مسئلہ طے کرنے سے پہلے فرقہ ورانہ سوال کا تصفیہ ضروری ہے۔ کسی مسلمان سیاست دان کو فرقہ پرستی کے طعن آمیز پروپیگنڈا کا خیال نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ اصطلاح بقول برطانوی وزیر اعظم جمہوری جذبات سے فائدہ اٹھانے کے لیے وضع کی گئی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ انگلستان ایک ایسی صورت حال کو تسلیم کرے جو فی الحقیقت ہندوستان میں موجود ہی نہیں ہے۔

اس وقت بہت بڑے بڑے مفاد خطرے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہماری تعداد سات کروڑ ہے اور ہندوستان کیے دوسرے باشندوں کے مقابلے میں ہم میں سب سے زیادہ یکسانیت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں صرف مسلمان باشندوں کو ہی جدید اصطلاح میں ایک قوم کہا جاسکتا ہے۔ باوجویکہ ہندو تقریباً تمام پہلوں سے ہم سے آگے ہیں۔ لیکن انہوں نے ابھی تک وہ یک رنگی حاصل نہیں کی جو ایک قوم بننے کے لیے ضروری ہے۔ اور جو آپ کے لیے اسلام کا ایک تحفہ ہے۔ بیشک وہ بھی ایک قوم بننے کے لیے مضطرب ہیں لیکن قوم کی ترکیب میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور جہاں تک ہندوؤں کا سوال ہے ان کے سماجی ڈھانچے کو تو یکسر تبدیل کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ مسلمان رہنماؤں اور سیاست دانوں کو مغالطہ آمیزی اور سہل انگاری کی اس دلیل سے بھی متاثر نہیں ہونا چاہیے کہ ترکی، ایران اور دوسرے مسلم ممالک بھی قوم پرستی یعنی علاقائی خطوط پر آگے بڑھ رہے ہیں۔ مسلمانان ہند کی صورت حال ان سے مختلف ہے۔ ہندوستان سے باہر اسلامی ممالک کی تقریباً پوری آبادی مسلمان ہے قرآن کی اصطلاح میں ان کی اقلیتیں بھی اہل کتاب میں سے ہیں۔ اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان کوئی سماجی دیوار حائل نہیں ہے۔ کوئی یہودی عیسائی یا زرتشتی اگر کسی مسلمان کے کھانے کو چھولے تو وہ نجس نہیں ہو جاتا اور اسلامی شریعت اہل کتاب کے ساتھ مناکحت کی اجازت دیتی ہے۔ درحقیقت اسلام نے جو پہلا قدم انسانیت کے اتحاد کی طرف اٹھایا تھا وہ یہی تھا کہ جن لوگوں کے اخلاقی نصب العین تقریباً یکساں تھے انہیں اتحاد و اتفاق کی دعوت دی قرآن کا ارشاد ہے،

یا اهل الکتب تعالو الی کلمته سواء بیننا وبینکم

عیسائیوں اور مسلمانوں کی جنگوں اور اس کے بعد مختلف صورتوں سے یورپ کی جارحیت کے باعث دنیائے اسلام میں اس آیت کے لاانتہا معنوں میں اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔ آج اسلامی ملکوں میں یہ مقصد اسلامی قومیت کی شکل میں بتدریج بروئے کار آرہا ہے۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہمارے مندوبین کی کامیابی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کانفرنس کے غیر مسلم مندوبین سے وہ کس حد تک دہلی کی قراردادوں کے مطالبات منوانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اگر یہ مطالبات تسلیم نہیں کیے جاتے تو اس سے ہمارے لیے ایک ایسا جذبہ پیدا ہو گا جو دوررس نتائج کا حامل ہو گا۔ اس وقت وہ لمحہ آئے گا جب مسلمانان ہند کو اتحاد و اتفاق کے ساتھ آزادانہ سیاسی قدم اٹھانا پڑے گا۔ اگر آپ اپنے مقاصد اور نصب العین کے بارے میں سنجیدہ ہیں تو آپ کو اس اقدام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ہمارے سربر آوردہ رہنماؤں نے سیاسی مسائل پر کافی غور وخوص کیا ہے۔ اور ان کے غور و فکر کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم کسی حد تک ان قوتوں سے آشنا ہو گئے ہیں جو ہندوستان اور ہندوستان کے باہر کی اقوام کی قسمتوں کی تشکیل کر رہی ہیں۔ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا اس غور و فکر نے ہمیں اس قابل بنا دیا ہے کہ مستقبل قریب میں جو صورت حال پیدا ہوئی ہم اس کے مقابلے کے لیے تیار ہوں؟

مجھے صاف الفاظ میں یہ کہنے دیجیے کہ اس وقت مسلمانان ہند دو امراض میں گرفتار ہیں۔ اول تو ان میں قحط الرجال ہے سر میلکم ہیلی اور لارڈ ارون کی وہ تشخیص بالکل صحیح تھی جب انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں کہا تھا کہ یہ قوم رہنما پیدا کرنے سے قاصر رہی۔ رہنما سے میری مراد ایسے لوگوں کی ہے

جو خدا کے دین یا اپنے تجربے کی بنا پر اسلام کی روح اور تقدیر کے بارے میں گہرا ادراک رکھتے ہوں، اور اسی کے ساتھ ساتھ جدید تاریخ کے رجحانات سے بھی پوری طرح واقف ہوں۔ یہی وہ لوگ ہی جن پر لوگوں کی قوت عمل کا انحصار ہوتا ہے۔ یہ لوگ وضع نہیں ہوتے بلکہ خدا کی طرف سے ایک تحفہ ہوتے ہیں۔ دوسرا امرض جو مسلمانوں کو لاحق ہے وہ یہ ہے کہ ان میں اجتماعی عمل کا فقدان رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض افراد اور گروہ الگ الگ راہ پر گامزن ہیں اور قوم کے عام اور اجتماعی افکار و اعمال میں شریک نہیں ہیں۔ ہم سیاست کے میدان میں وہی کچھ کر رہے ہیں جو ہم صدیوں سے مذہب کے میدان میں کرتے چلے آئے ہیں لیکن مذہبی گروہ بندیوں سے ہمارے اتحاد کو اتنا نقصان نہیں پہنچا۔ اس سے کم از کم اتنا تو ظاہر ہوا ہے کہ ہمیں قوم کی تعمیر و ترکیب کے اصول سے دلچسپی ہے۔ مزید بر آں یہ اصول اس قدر وسیع ہے کہ کسی ایک گروہ کی بغاوت اس حد تک نہیں پہنچی کہ وہ جسد اسلامی سے قطعی طور پر منقطع ہو جائے۔ لیکن اس وقت جب لوگوں کی زندگی کے لیے اجتماعی عمل کی ضرورت ہے۔ سیاسی عمل میں اختلاف کا نتیجہ ہلاکت خیز ہو سکتا ہے۔

لہٰذا سوال یہ ہے کہ ان دونوں امراض کے علاج کی کیا صورت ممکن ہو سکتی ہے؟ پہلے مرض کا مداوا ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جہاں تک دوسرے مرض کا تعلق ہے میرے خیال میں اس کا علاج ممکن ہے اس موضوع پر میرا ایک مخصوص نقطہ نظر ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس کے اظہار کو اس وقت تک کے لیے ملتوی رکھا جائے جب تک واقعی وہ صورت حال پیدا نہ ہو جائے جس کا خطرہ نظر آ رہا ہے۔ اگر ایسی صورت حال پیدا ہوتی ہے تو پھر ہر نقطہ خیال کے سربر آوردہ مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہونا ضروری ہو گا... اس لیے نہیں کہ وہ قرار دادیں پاس کریں بلکہ اس لیے کہ حقیقی مقصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کا رویہ متعین کریں اور انہیں راستہ دکھلائیں۔ اس تقریر میں میں نے اس امر کا تذکرہ محض اس لیے کیا ہے کہ تاکہ یہ بات آپ کے ذہن میں رہے اور آپ اس دوران نہایت سنجیدگی سے غور کریں۔

۱۰۔ ماحصل

حضرات! میرا خطبہ تمام ہوا۔ آخر میں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تاریخ ہند کے موجودہ نازک دور میں مسلمانوں کو تنظیم کامل اور اتحاد عزائم و مقاصد کی ضرورت ہے، جو آپ کے حق میں بھی اور عمومی طور پر ہندوستان کے حق میں بھی ضروری ہے۔ ہندوستان کی سیاسی غلامی پورے ایشیا کے لیے لاتعداد مصائب کا سرچشمہ ہے۔ اس نے مشرق کی روح کو کچل ڈالا ہے اور اظہار ذات کی مسرت سے پوری طرح محروم کر دیا ہے۔ جس کی بدولت کسی زمانے میں ایک عظیم اور شاندار تمدن پیدا ہوا تھا۔ ہمیں اس ہندوستان کی خاطر ایک فرض ادا کرنا ہے۔ جہاں جینا اور مرنا ہمارا مقدر ہے۔ ایشیا اور خصوصاً مسلم ایشیاء کی خاطر ہمیں ایک فرض پورا کرنا ہے۔

ایک ہی ملک میں ۷ کروڑ مسلمانوں کی موجودگی اسلام کیلیے تمام ایشیا کے مسلمانوں سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔ ہمیں ہندوستان کے مسئلے کو نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے نقطہ نظر سے بھی دیکھنا چاہیے۔ ایشیا اور ہندوستان کے حق میں وفاداری کے ساتھ ہم اس وقت تک اپنا فرض پورا نہیں کرسکتے جب تک ہم ایک متعین و مخصوص مقصد کے لیے اجتماعی عزم نہ کریں۔ اگر آپ ہندوستان کی دوسری سیاسی جماعتوں میں اپنا ایک سیاسی وجود قائم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے لیئے اس قسم کا بندوبست قطعی ضروری ہے جو سیاسی مصالح ہماری ملی زندگی کیلیئے ناگزیر ہیں، وہ پہلے ہی ہماری بدنظمی اور انتشار کے باعث الجھ چکے ہیں۔

گو میں فرقہ ورانہ تصفیے سے مایوس نہیں ہوں لیکن میں اپنا ایک احساس بھی آپ سے نہیں چھپا سکتا کہ موجودہ بحران کے حل کے لیے ملت کو مستقبل قریب میں ایک آزادانہ راہ عمل اختیار کرنی پڑے گی اور آزادانہ سیاسی راہ عمل ایسے نازک وقت میں صرف ان لوگوں کیلیئے ہی ممکن ہے جو عزم کے مالک ہوں اور جن کی قوت ارادی ایک مقصد پر مرکوز ہو۔ کیا آپ کے لیے ممکن ہے کہ آپ متحدہ عزم کے ذریعے ایک مکمل نامیاتی نظام وضع کرلیں؟ بے شک یہ ممکن ہے۔ آپ فرقہ بندی اور ہوا وہوس کی قیود سے آزاد ہو جائیں، انفرادی اور اجتماعی عمل کی قدر و قیمت کو پہچانیئے۔ خواہ اس مقصد کی روشنی میں جس کی آپ نمائندگی کر رہے ہیں وہ عمل مادی اغراض ہی سے متعلق کیوں نہ ہو...مادہ سے گزر کر آپ روحانیت کی طرف جایئے۔ مادہ کثرت ہے، روح نور ہے۔ زندگی ہے اور وحدت ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ سے میں نے ایک سبق سیکھا ہے۔ تاریخ کے آڑے وقت میں مسلمانوں کو اسلام نے بچایا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔ اگر آج آپ اپنی نظریں اسلام پر گاڑ دیں، اور اس میں جو حیات آفریں قوت پنہاں ہے، اس سے متاثر ہو جائیں تو آپ اپنی پراگندہ قوتوں کو پھر سے اکٹھا کرسکیں گے۔ اپنی کھوئی ہوئی صلابت کردار دوبارہ حاصل کرلیں گے۔ قرآن کریم کی ایک بڑی معنی خیز آیت ہے کہ پوری انسانیت کی موت اور حیات بھی فرد واحد کی موت اور حیات کی مانند ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ جو انسانیت کے اس ارفع واعلیٰ تصور کے اولین، باعمل شارح ہونے کا دعویٰ کرسکتے ہیں، اسی اصول پر جیئیں اور ایک نفس واحدہ کی طرح آگے قدم بڑھائیں۔ میں جب یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان میں صورت حال وہ نہیں ہے جو بظاہر نظر آتی ہے تو میرا مقصد کسی کو فریب دینا نہیں ہے۔ لیکن بہر حال اس کا مطلب آپ پر اس وقت روشن ہو جائے گا جب آپ صورت حال کو دیکھنے کے لیے ایک صحیح اجتماعی خودی پیدا کرلیں گے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں،

علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم (۵:۱۰۴)

علامہ اقبال کے خطبے کا ردِ عمل

- مشہور تصنیف "پاکستان ناگزیر ہے" کہ مصنف جناب حسن ریاض نے جو خود مسلم لیگی کارکن تھے اور وہاں موجود تھے، انہوں نے لکھا۔ "تاریخ کا ایک گمشدہ صفحہ نکال کر انہوں نے مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا اور اس مستقبل کی طرف رہنمائی کی جو پیدا ہونے والا تھا۔۔۔ ان کے خطبہ صدارت کے ساتھ ہی اہلِ فکر مسلمانوں کی نظروں کے سامنے پریشاں خیالی کے وہ پردے ہٹ گئے جو انکے اور آئیندہ نصب العین کے درمیان حائل تھے۔"
- علامہ اقبال کا خطبہ 29 دسمبر کو ہوُا، اگلے روز کھلے اجلاس میں سات قراردادیں پیش کی گئیں۔ ان میں سے ایک مسلم کانفرنس کی جنوری 1929ء کی قرارداد کی تائید میں تھی۔ مسلم کانفرنس کی قرارداد میں قائدِ اعظم کے چودہ نکات میں سے دس کا احاطہ ہو جاتا تھا۔ قائدِ اعظم کے بقیہ چار نکات کی تائید میں بھی قراردادیں تشکیل دی گئیں۔ کچھ قراردادیں حالاتِ حاضرہ سے تعلق رکھتی تھیں، ان سب نکات کا احاطہ علامہ نے خطبہ صدارت میں کیا تھا۔
- جس وقت علامہ اقبال کا خطبہ الہٰ باد پیش کیا گیا اس وقت قائدِ اعظم سمیت پہلی گول میز کانفرنس کے دوسرے شرکا انگلستان مین جمع تھے۔ مخالفین نے خطبے پر اعتراضات شروع کر دیئے تھے۔
- برطانوی وزیرِ اعظم ریمزے میکڈانلڈ خطبہ الہٰ باد پر توجہ دیئے بغیر نہ رہ سکے اور اخبارات میں آیا کہ وہ اس پر سخت ناراض ہیں۔ عبدالمجید سالک نے 7 جنوری کے روزنامہ انقلاب میں انڈین ڈیلی میل کی یہ خبر نقل کر کے لکھا کہ، "پھر ہم کیا کریں؟ وزیرِ اعظم ہونگے تو اپنے گھر کے ہونگے۔"
- یکم جنوری کو گول میز کانفرنس میں سر محمد شفیع نے ڈاکٹر مونجے کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ خطبے کا مکمل متن لندن نہیں پہنچا ہے۔ اعتراض صرف اس خلاصے کی بنیاد پر کیا گیا ہے جو تار کے ذریعے اخبارات کو بھیجا گیا۔ سر شفیع کا مؤقف تھا کہ اگر چھ صوبوں میں ہندو اکثریتی ریاستیں قائم ہوتی ہیں اور چار صوبوں میں مسلم اکثریتی ریاستیں بن جاتی ہیں تو مجھے اقبال کی اس تجویز میں کوئی برائی دکھائی نہیں دیتی۔ سر شفیع نے مزید کہا کہ اگر انہوں نے برٹش کامن ویلتھ سے باہر کسی آزاد ریاست کے قیام کے حوالے سے کوئی بات کی ہے تو میں اسے تمام مسلم وفد کی طرف سے مسترد کرتا ہوں۔
- جنوری کے پورے مہینے میں اخبارات میں علامہ اقبال کے خطبے پر تحریریں شائع ہوتی رہیں۔ روزنامہ انقلاب نے جنوری اور فروری 1931ء میں تقریباً تواتر کے ساتھ خطبہء الہٰ باد سے متعلق خبریں اور مضامین چھاپے، جن میں مولانا مہر کے اداریئے، مولانا سالک کے کالمز، اور افکار و حوادث شامل تھے۔

- پاینیئر، ٹریبیون، لیڈر الہٰ باد، اور پرتاب لاہور میں مخالفانہ تحریریں آئیں۔ ٹائمز آف انڈیا نے دونوں طرف کی خبریں چھاپیں۔
- لالہ دیناتھ نے علامہ پر نہایت رکیک حملے کیئے۔ انہوں نے علامہ کو مخاطب کر کے کہا،

ہندو پہ تم نے راج مسلماں کا مانگ کر

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

- سالک نے جواب میں لکھا، ”لالہ جی بالکل صحیح کہتے ہیں۔ ہندو 'پاپوش' ہیں۔ اگر ان پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جائے تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ پاپوش میں آفتاب کی کرن لگ گئی۔
- تصورِ پاکستان کو علامہ اقبال کا خواب قرار دیا جاتا ہے۔ اصولاً یہ بات غلط ہے کہ بہر حال تقسیم سے متعلق بہت سی تجاویز وقفے وقفے سے مختلف شخصیات کی طرف سے آتی رہی تھیں۔ خواب والی بات سب سے پہلے الہٰ باد کے ایک وکیل عبد الرب کی طرف سے سامنے آئی،
- تفصیل کیلیئے روزنامہ انقلاب کا تراشہ بشکریہ جناب امجد سلیم علوی پیشِ خدمت ہے۔ یہ ۱۷ جنوری ۱۹۳۱ء کی خبر ہے۔

علامہ اقبال کا خطبہ اور ہندو دنیا

شمالی و مغربی ہند کے مسلمانوں کا دلی اتحاد

(از جناب عبد الرب صاحب وکیل الہ آباد)

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے مسلم لیگ کی صدارت فرماتے ہوئے جو خطبہ ارشاد فرمایا ہے وہ نہ صرف نہایت فصیح، بلیغ اور فلسفیانہ ہے، بلکہ ایک سچے اور پُر خلوص مسلم کے جذبات کا آئینہ ہے۔ تا ایں دم باستثنا مولوی یعقوب حسن صاحب مسلم دنیا نے اس کو نہایت قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا، اور اپنے جذبات کا ترجمان سمجھا ہے۔ سچی باتیں اکثر کڑوی ہوتی ہیں، غالباً اسی وجہ سے اخبار لیڈر کے نامہ نگار مقیم لندن تحریر فرماتے ہیں کہ سر اقبال کے اس حملے کے خلاف جو انہوں نے حکومت ترکیبی کے خیال اور ہندوستانی والیان ملک پر جو اس خیال کو نشو و نما دے رہے ہیں کیا ہے، برطانوی و نیز ہندوستانی حلقہ میں غصہ کا اظہار کیا جا رہا ہے (لیڈر ۱۴ جنوری ۳۱ء) ممکن ہے کہ ایسا ہو، مگر مسلم حقوق کی حفاظت کے لئے معاملات کو ان کے اصلی رنگ میں دکھانا ناگزیر تھا۔ ایسا کرنے میں سر اقبال نے جس اخلاقی جرأت سے کام لیا ہے، وہ قابل تحسین ہے۔

صحیح ترکیبی حکومت کی ضرورت

سر اقبال کا مقصد یہی ہے کہ "باشندگان ہندوستان کو حقیقی نظام حکومت ترکیبی ملنا چاہیئے جس میں مسلمانوں کا شمار بطور ایک علیحدہ سیاسی جماعت کے ہونا ضروری ہے۔" محض نام کی حکومت ترکیبی بیکار ہے۔ برادران وطن چاہے جتنے نعرے وطنیت اور قومیت کے نعرے بلند کریں۔ مگر ہر وہ شخص جس نے غور و فکر کے ساتھ ہندوستان کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان میں اتنی مختلف زبانیں، اتنے مختلف مذاہب، اتنی مختلف قومیں آباد ہیں کہ ان کو ایک ہی قومیت کے شیرازہ میں جکڑنا قطعی ناممکن ہے۔ پس ہر قوم کی بقا اور حفاظت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ تا جگہ ان کے شامل ہونے پر برادران وطن

کی تعداد مرکزی حکومت میں یقیناً بہت بڑھ جائیگی۔ ایسی صورت کو دیکھتے ہوئے سر اقبال کا اپنی قوم کی حفاظت کیلئے آواز اٹھانا بیجا نہ تھا۔ نہ اس پر کسی کو خفا ہونا چاہیئے۔

مسلم ہندوستان

دوسرا مسئلہ جس پر ایک طوفان اٹھایا جا رہا ہے۔ یہ ہے کہ سر اقبال نے ظاہر کر دیا کہ مسلمان بیرون ہندوستان کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہیں کہ (اس کی مدد سے) ہندوستان میں مسلم حکومت قائم کر کے اپنے کو مستحکم بنائیں۔ میری ناچیز رائے میں برادران وطن کا محض وہم ہے۔ ایسا خیال سر اقبال کے کسی جملہ سے ظاہر نہیں ہوتا۔ سر اقبال نے یہ ضرور کہا ہے کہ "میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک حکومت کی شکل میں دیکھنا پسند کروں گا۔ ایسی خود مختار حکومت چاہے سلطنت برطانیہ کے اندر ہو۔ یا باہر مگر ہندوستان کے شمال و مغرب کے مسلمانوں کی قسمت کا آخری فیصلہ یہی ہوتا نظر آرہا ہے کہ وہ ایک حکومت بن جائیں گے" ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ سر اقبال ایک شاعر ہیں۔ یہ ان کا ایک خواب ہے۔ خدا کرے کہ سچا ہو۔ مگر اس میں بیرون ہند سے مدد لینے کا ذکر نہیں۔ نہ اس میں برادران وطن کو خفا ہونے کی کوئی وجہ ہے۔ کیونکہ بالفعل موجودہ ان صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ جغرافیہ کی کتابوں میں اور ملکی نقشوں میں آپ ان صوبوں کے باشندوں کو علیحدہ دیکھ سکتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ان کے دل ملے ہوئے ہیں۔ یہ سب ایک قوم کے، مذہب ایک ہی، تہذیب ایک ہی تمدن کے دلدادہ ہیں اس لئے حقیقت میں سب ایک

روزنامہ ''انقلاب'' نے خطبۂ الہ آباد کے اگلے ہی مہینے اپنے اداریئے میں لکھا:

''حضرتِ ممدوح [علامہ اقبال] کے خطبے میں بہت سی چیزیں نئی ہیں اور اُن کے پیش کرنے کا انداز و اسلوب تو بالکل اچھوتا ہے لیکن شمال و مغربی ہند میں اسلامی حکومت کے قیام کی تجویز نہ نئی ہے اور نہ اس میں کوئی ایسی صورت موجود ہے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں پہلے سے موجود نہ ہو یا اسلامی مطالبات کی تکمیل کے بعد موجود نہ ہو گی۔ ''مسلمانوں کی طرف سے [۱۹۲۷ء سے] اب تک جو مطالبات پیش ہوئے، ان سب میں شمال و مغربی ہند میں مسلمانوں کے غلبے کا معاملہ بالکل واضح تھا اور غلبے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ عنانِ اقتدار زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے۔ فرق ہے تو یہ ہے کہ پہلے مطالبات میں چار حکومتیں قائم کرنے کی تجویز تھی، حضرت علامہ نے چاروں کو ملا کر ایک کر دینے کی تجویز پیش فرمادی۔ ''اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ شمالی و مغربی ہند کی اس نئی حکومت میں مسلمانوں کی پوزیشن تقریباً وہی ہو جائے گی جو یوپی میں ہندوؤں کو حاصل ہے اور مسلمان بھی اپنے غیر مسلم بھائیوں کے لیے ویسی ہی مراعات و تحفظات کا بندوبست کرنے کے قابل ہو جائیں گے [جیسی] مراعات کا مطالبہ اب ہندو اکثریت والے صوبوں میں کیا جارہا ہے [''بحالتِ موجودہ دقت پیش آرہی ہے کہ پنجاب کے مسلمان بوجہ قلتِ اقلیت دوسری اقوام کو مراعات نہیں دے سکتے ہیں'']۔ نیز اِس طرح جداگانہ اور مخلوط انتخابات کا جھگڑا رفع ہو جائے گا۔ ''غرض شمالی و مغربی ہند میں اسلامی حکومت کا قیام پہلے سے طے شدہ ہے، اس لیے کہ اس حصے میں غلبہ بہ ہر حال مسلمانوں کو حاصل ہو گا یا از روئے انصاف حاصل ہونا چاہیے۔ حضرت علامہ کی تجویز کا منشا بھی یہی ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ البتہ اس میں خوبی یہ ہے کہ سندھ، سرحد، بلوچستان اور پنجاب کے مل جانے سے بعض ان مسائل کے اطمینان بخش تصفیہ کی صورت بھی نکل آتی ہے جو اِس وقت مفاہمت میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً اقلیتوں کے لیے مراعات اور طریقِ انتخاب۔''

ذیل میں علامہ اقبال کے خطبے سے متعلق ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء کے روزنامہ انقلاب کا ایک اور تراشہ حاضر ہے۔

ILAB
جلد ۵ | لاہور ۔ یوم چہارشنبہ ۲۴ شعبان المعظم ۳۴۹

حضرت علامہ اقبال اور مسلمانانِ ہند سے اپیل

ہندوستان میں اسلامی نصب العین کی اشاعت

میں سوءِ اتفاق سے چند روز کے لئے باہر چلا گیا تھا اور یہ اپیل میری غیر حاضری میں لاہور پہنچی۔ کل واپس آیا تو اسے دیکھا۔ لہٰذا اپیل بھیجنے والے اصحاب سے تاخیرِ اشاعت کے لئے معافی مانگتا ہوا اسے شائع کرتا ہوں۔ اس کے ہمراہ "اسلامی نصب العین فنڈ" کے لئے ایک روپیہ بھی آیا ہے۔ لیکن رقم بھیجنے والے بھائیوں سے بادب التماس ہے کہ اس فنڈ کے امین کا کام "انقلاب" کے بجائے کسی جماعت کے سپرد کریں۔ "انقلاب" اس سلسلے میں ہر خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہے۔ لیکن فنڈ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ مرسلہ رقم اس وقت تک میرے پاس بطور امانت رہے گی جب تک کوئی جماعت اس کام کو اپنے ہاتھ میں نہ لے۔ اگر خدانخواستہ کوئی جماعت کھڑی نہ ہوئی تو پھر یہ رقم بھیجنے والے اصحاب کی خدمت میں واپس کی جائے گی۔ تفصیلی گزارشات کے لئے مستقل مضمون کا انتظار فرمائیے۔

(مہر)

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد میں حضرت علامہ اقبال نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔ اور ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ لیگ کے اسٹیج پر یہ سب سے پہلی زندہ آواز ہے۔ جس نے اتنی صفائی، وجاہت اور حکمت و تدبر کے ساتھ قومیت ہند کے اصلی تصور، ہندوستان میں اسلام کے نصب العین اور نیشنلزم اور مسئلہ عالم، چرچ اور اسٹیٹ، تجزیۂ دین و سیاست، نیشنلزم اور کمیونلزم وغیرہ مسائل مہمہ پر بصیرت افروز بحث کی ہے۔ اس آواز نے باطل پرستوں اور طاغوتیوں میں ایک عجیب سراسیمگی پیدا کر دی ہے۔ تاہم مخالف بھی خطبہ کی معنویت، اخلاص اور بصیرت افروزی کی تعریف کر رہا ہے۔ جہاں تک ہم مسلمانانِ ہند کا تعلق ہے۔ اس خطبہ نے ہندوستان میں اسلامی نصب العین کو سب سے پہلی بار کچھ وضاحت اور تعین کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

لیکن ہمارا خیال ہے کہ ابھی مزید وضاحت اور تفصیل کی سخت ضرورت ہے۔ لہٰذا ہم "جوانانِ نو نیاز" **ھل من مزید** کی صدا لگاتے اور حضرت علامہ اقبال سے نہایت دردمندانہ اور مخلصانہ اپیل اسلام، ہندوستان اور انسانیت کے نام پر کرتے ہیں کہ وہ جلد سے جلد ایک

مزید چند یوم صرف کر کے اپنے قلم سے مسئلہ مذکور پر ایک مستقل "صحیفہ نصب العین" نہیں پیش فرمائیں گے؟ مسلمانانِ ہند کا مفکر حصہ عرصہ سے اس کا متوقع ہے۔ ہمارے خیال میں علامہ انگریزی میں ضرور اس موضوع پر قلم اٹھائیں اور جس امر کو چھیڑا ہے اسے پایۂ تکمیل کو پہنچائیں۔ اس کا اردو ایڈیشن بھی شائع کیا جائے۔ اس کام کے لئے سنی اور شیعہ احمدی اور غیر احمدی سب بھائیوں کو متحد ہو جانا چاہئے۔

"انقلاب" سے اپیل

ہم موقر اسلامی روزنامہ "انقلاب" سے بھی متوقع ہیں۔ کہ اس ضروری کام میں امکانی مدد کر کے قوم کے شکریہ کا مستحق ہوگا۔ "انقلاب" نے اسلامی نصب العین کی نہایت گرانقدر خدمات کی ہیں۔ ہم سب مسلمانانِ ہند کی طرف سے اس روزنامہ کے شکریہ ادا کرنے کا فرض ادا کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ آئندہ وہ اس سے زیادہ خدمات ادا کرنے کے قابل ہوگا۔ اغیار اپنے طاغوتی مقاصد کی نشر و اشاعت کے لئے لاکھوں رسائل و اخبارات تقسیم کر رہے ہیں۔ کیا ہم غافل رہیں گے؟

قوم سے اپیل

قوم سے ہماری مخلصانہ اپیل یہ ہے۔ کہ وہ اسلامی نصب العین

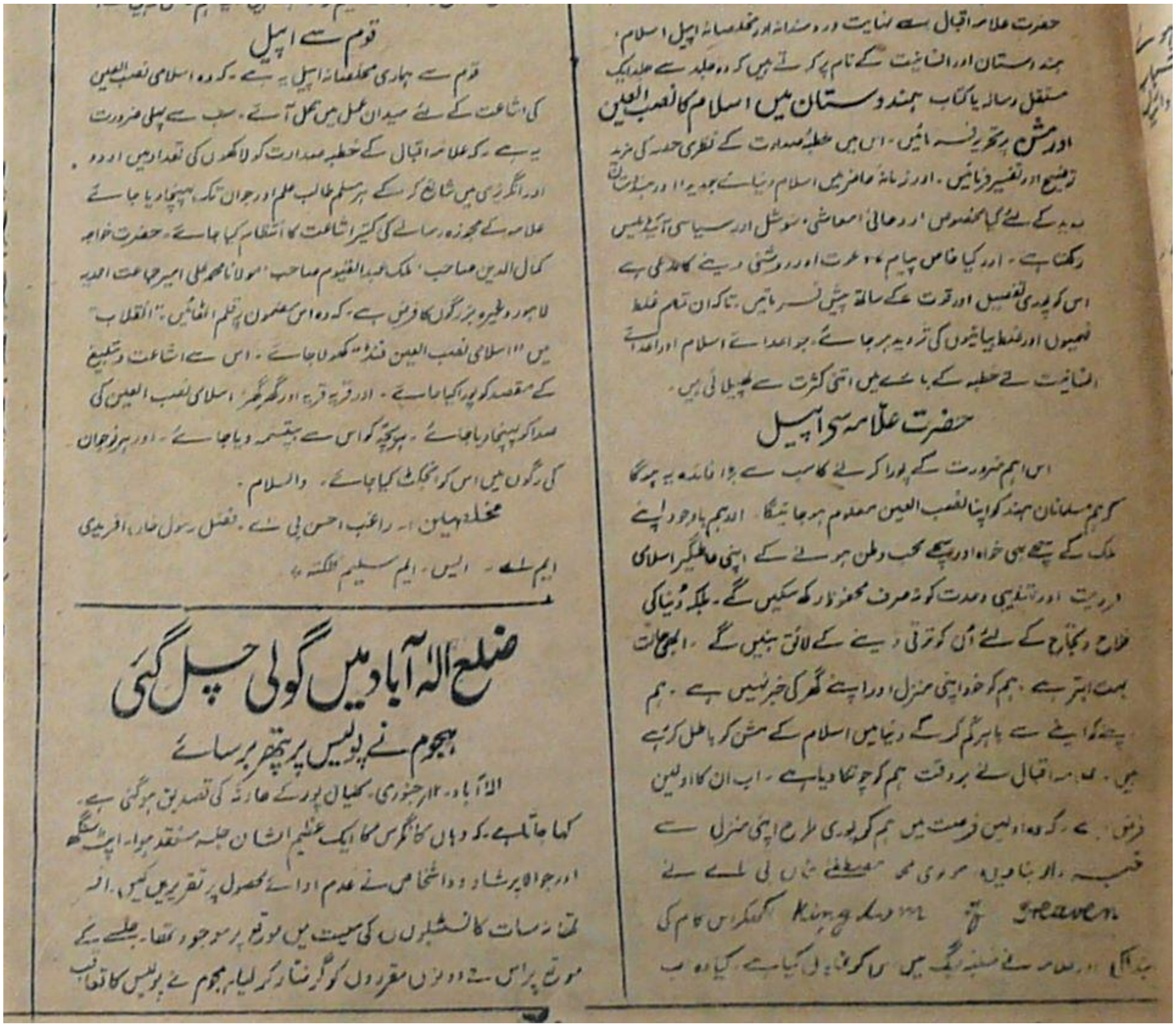

حضرت علامہ اقبال سے نہایت دردمندانہ اور مخلصانہ اپیل اسلام، ہندوستان اور انسانیت کے نام پر کرتے ہیں کہ وہ جلد سے جلد ایک مستقل رسالہ یا کتاب **ہندوستان میں اسلام کا نصب العین اور مشن** پر تحریر فرمائیں۔ اس میں خطبۂ صدارت کے نظری حصہ کی مزید توضیح اور تفسیر فرمائیں۔ اور زمانۂ حاضر میں اسلام دنیائے جدید [illegible] کے لیے کیا مخصوص روحانی، معاشی، سوشل اور سیاسی آئیڈیلس رکھتا ہے۔ اور کیا خاص پیام عزت اور روشنی دینے کا حامل ہے اس کو پوری تفصیل اور قوت کے ساتھ پیش فرمائیں۔ تاکہ ان تمام غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی تردید ہو جائے۔ جو اعدائے اسلام اور اعدائے انسانیت نے خطبہ کے بارے میں اتنی کثرت سے پھیلائی ہیں۔

حضرت علامہ سے اپیل

اس اہم ضرورت کے پورا کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم مسلمانانِ ہند کو اپنا نصب العین معلوم ہو جائیگا۔ اور ہم باوجود اپنے ملک کے سچے بہی خواہ اور سچے محب وطن ہونے کے اپنی عالمگیر اسلامی حریت اور تہذیبی وحدت کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں گے۔ بلکہ دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے اُن کو ترقی دینے کے لائق بنیں گے۔ اب حالت بہت ابتر ہے۔ ہم کو خود اپنی منزل اور اپنے گھر کی خبر نہیں ہے۔ ہم ہند کو اپنے سے باہر کر کے دنیا میں اسلام کے مشن کو باطل کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے بروقت ہم کو چونکا دیا ہے۔ اب ان کا اولین فرض ہے کہ وہ اس وضاحت میں ہم کو پوری طرح اپنی منزل سے خبر [illegible] اور بتادیں۔ مولوی محمد مصطفےٰ خاں بی اے نے Kingdom of Heaven کے نام سے اس کام کی ابتدا کی [illegible] علامہ نے خطبہ [illegible] میں [illegible] کیا ہے۔ کیا وہ [illegible]

قوم سے اپیل

قوم سے ہماری مخلصانہ اپیل یہ ہے۔ کہ وہ اسلامی نصب العین کی اشاعت کے لئے میدان عمل میں نکل آئے۔ سب سے پہلی ضرورت یہ ہے۔ کہ علامہ اقبال کے خطبۂ صدارت کو لاکھوں کی تعداد میں اردو اور انگریزی میں شائع کر کے ہر مسلم طالب علم اور جوان تک پہنچا دیا جائے۔ علامہ کے مجوزہ رسالے کی کثیر اشاعت کا انتظام کیا جائے۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب، ملک عبدالقیوم صاحب، مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور وغیرہ بزرگوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اس مضمون پر قلم اٹھائیں۔ "انقلاب" میں "اسلامی نصب العین فنڈ" کھول دیا جائے۔ اس سے اشاعت و تبلیغ کے مقصد کو پورا کیا جائے۔ اور قریہ قریہ اور گھر گھر اسلامی نصب العین کی صدا کو پہنچا دیا جائے۔ ہر بچہ کو اس سے بہرہ مند کیا جائے۔ اور ہر نوجوان کی رگوں میں اس کو انجکٹ کیا جائے۔ والسلام۔

مخلصین:- راغب احسن بی اے۔ فضل رسول خان آفریدی ایم اے۔ ایس۔ ایم سلیم (کلکتہ)

ضلع الہ آباد میں گولی چل گئی

ہجوم نے پولیس پر پتھر برسائے

الہ آباد۔ ۱۲ر جنوری۔ کھیان پور کے حادثہ کی تصدیق ہو گئی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ وہاں کانگرس کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ اپٹ سنگھ اور جوالا پرشاد دو اشخاص نے عدم ادائے محصول پر تقریریں کیں۔ [illegible] سات کانسٹبلوں کی معیت میں موقع پر موجود تھا۔ جلسے کے موقع پر اس نے دونوں مقرروں کو گرفتار کر لیا۔ ہجوم نے پولیس کا تعاقب

"ملتِ بیضا پر عمرانی نظر" علامہ اقبال کے عالمانہ خطبے کا اردو ترجمہ ہے، جو انہوں نے ۱۹۱۰ء میں علیگڑھ کالج میں دیا تھا۔ علامہ اقبال کے اس لیکچر "The Muslim Community – A Sociological Study" کا اردو ترجمہ اس زمانے میں بے حد مقبول ہوا تھا۔

علامہ نے کہا تھا کہ، "ایک قوم کے طور پر ملتِ اسلامیہ کا وجود تین اجزاء سے بنتا ہے۔ عقیدہ، سیاسی نظریہ اور یکرنگ ثقافت۔" اس نظریے میں اس بات کی مکمل گنجایش تھی کہ مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کوئی ایسی ریاست تخلیق کریں جس میں تمام شہریوں کے برابر حقوق ہوں یہاں تک کہ ایک غیر مسلم اس ریاست کا وزیرِ اعظم بھی بن سکتا ہو۔ علامہ نے یہ بات "خلافتِ اسلامیہ" والے مقالے میں بالکل واضح کر دی تھی اور پھر خطبہء الٰہ آباد میں اِس کی طرف دوبارہ اشارہ کیا گیا ہے۔

کچھ حلقوں کی طرف سے یہ اعتراض اٹھایا جاتا رہا ہے کہ علامہ اقبال پہلے فرد نہیں تھے جنہوں نے علیحدہ مسلم اسٹیٹ کی بات کی ہو۔ علامہ اقبال نے خطبے میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ اس طرح کی تجویز پیش کرنے والے پہلے فرد ہیں۔ بہت سے فیصلے اقوام کے اجتماعی شعور سے جنم لیتے ہیں۔ انفرادی سطح پر یہ باتیں ہوتی رہی تھیں، علامہ صاحب نے قوم کے اجتماعی شعور کو اپنی توانا آواز میں بیان کیا تو یہ آواز چہار عالم میں گونجی اور بالآخر جو بات اشارۃ کہی گئی تھی وہ 1940ء میں ایک باقاعدہ مطالبے کی صورت میں سامنے آگئی۔

اقبالیات کے ممتاز محقق جناب خرم علی شفیق صاحب کا مؤقف،

"حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبال نے خطبہ ٔصدارت میں دونوں امکانات کا ذکر کیا، "سلطنت برطانیہ کے اندر یا سلطنت برطانیہ کے باہر"۔ اس کے بعد 1935 تک پہلی صورت پر اصرار کرتے رہے یعنی مسلم ریاست متحدہ ہندوستان کا ایک صوبہ ہو۔ 1935 کے بعد خود مختاری کا تقاضا کرنے لگے یعنی ہندوستان سے علیحدہ ایک خود مختار وفاق جیسا کہ پاکستان کی صورت میں اب موجود ہے۔ وجہ یہ تھی کہ مسلم کانفرنس کی قرارداد (اور جناح کے 14 نکات) میں ایک ہندوستانی وفاق کی بات کی گئی تھی۔ اقبال اُس قرارداد پر حدیثِ پاک سے حجت لائے تھے۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کی موجودگی میں ایک متبادل تحریک شروع کر دیتے۔ وہ قرارداد 1935 تک زندہ رہی کیونکہ اس کا تعلق اُس آئین کی تشکیل سے تھا جو 1935 میں نافذ ہوا۔ آئین کے نفاذ کے ساتھ گویا قرارداد کی میعاد بھی ختم ہو گئی۔ اُس کے بعد اقبال نے کہنا شروع کیا کہ اُن کی مجوزہ ریاست ایک ہندوستانی وفاق کا حصہ نہیں بلکہ اس سے باہر قائم ہونی چاہیے۔"

خرم شفیق صاحب کا مؤقف درست ہو سکتا ہے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ "سلطنتِ برطانیہ کے اندر" سے مراد ایک ڈومینین اسٹیٹ کی صورت میں اور "سلطنتِ برطانیہ سے باہر" مکمل آزادی کی صورت میں۔

آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقدہ یکم جنوری 1929ء میں مسلمانوں کی طرف سے جو تجاویز سامنے آ چکی تھیں، انہیں پندرہ نکات کی صورت میں اکٹھا کیا گیا تھا۔ یہ نکات بنیادی طور پر تین اصولوں پر قایم تھے،

1۔ جداگانہ نیابت اب ملک کا مروجہ قانون رکھتی ہے اس لیئے اسے مسلمانوں کی مرضی کے بغیر منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

2۔ہندوستان کے جن حصوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں جمہوری طریقے سے انہیں حکومت بنانے کا موقع ملنا چاہئے اور جہاں وہ اقلیت میں ہیں وہاں انہیں بعض تحفظات حاصل ہونے چاہئیں۔

3۔ مرکزی حکومت میں مسلمانوں کی نمائیندگی ایک تہائی سے کم نہیں ہونی چاہئیے۔

یہاں تمام قاریئین کیلئے ایک وضاحت ضروری ہے، یقیناً کچھ اس بات کو سمجھتے ہونگے لیکن اکثریت دھوکہ کھا جاتی ہے۔جب علامہ اقبال نے شمال مغربی علاقوں میں ایک متحدہ مسلم ریاست کا مطالبہ کیا تو یہ ہندوستانی وفاق کے اندر ایک خود مختار مسلم ریاست کا مطالبہ تھا یعنی ایک متحدہ مسلم صوبہ کا جو اپنے معاملات چلانے میں خود مختار ہو۔ مطالبہ کسی الگ مملکت کا نہیں تھا۔اس بات کی وضاحت خود علامہ اقبال نے بھی کر دی تھی۔اس کا حوالہ میں نے انگریزی سیکشن میں پیش کیا ہے۔ تاہم خطبہ کے تیسرے حصے میں اور اختتامی کلمات میں جو انہوں نے کہا،

"۔مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ کم از کم ہندوستان کے شمال مغرب میں سلطنت برطانیہ کے اندر یا اس کے باہر ایک خود مختار حکومت اور شمالی مغربی متحدہ مسلم ریاست آخر
کار مسلمانوں کا مقدر ہے۔"

"میں کسی کو فریب نہیں دینا چاہتا یہ کہہ کر کہ ہندوستان میں حالات وہ نہیں جو نظر آرہے ہیں۔اس کے معنی آپ پر اس وقت ظاہر ہونگے جب آپ ان کا جائزہ اس وقت لیں گے جب آپ ایک اجتماعی خودی کی منزل حاصل کر لیں گے۔"
(یہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اشارہ تھے مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار مملکت کی منزل کی طرف۔ ممکن ہے میرا خیال غلط ہو۔)۔

Resolution of the All-India Muslim Conference, 1st January 1929

Whereas, in the view of India's vast extent and its ethnological, linguistic, administrative and geographical or territorial divisions, the only form of government suitable to Indian conditions is a federal system with complete autonomy and residuary powers vested in the constituent States, the Central Government having control of only such matters of common interest as may be specifically entrusted to it by the Constitution;

And whereas it is essential that no Bill, resolution, motion or amendment regarding inter-communal matters be moved, discussed or passed by any Legislature, Central or Provincial, if a three-fourth majority of the members of either the Hindu or the Muslim community affected thereby in that Legislatire oppose the introduction, discussion or passing of such Bill, resolution, motion or amendment;

And whereas the right of Moslems to elect their representatives on the various Indian Legislatures through separate electorates is now the law of land and Muslims cannot be deprived of that right without their consent;

And whereas in the conditions existing at present in India and so long as those conditons continue to exist, representation in various Legislatures and other statutory self-governing bodies of Muslims through their own separate electorates is essential in order to bring into existence a really representative democratic Government;

And whereas as long as Mussulmans are not satisfied that their rights and interests are adequately safeguarded in the Constitution, they will in no way consent to the establishment of joint electorates, whether with or without conditions,

And whereas, for the purposes aforesaid, it is essential that Mussalmans should have their due share in the Central and Provincial Cabinets;

And whereas it is essential that representation of Mussulmans in the various Legislatures and other statutory self-governing bodies should be based on a plan whereby the Muslim majority in those Provinces where Mussulmans constitute a majority of population shall in no way be affected and in the Provinces in which Mussulmans constitute a minority they shall have a representation in no case less than that enjoyed by them under the existing law;

And whereas representative Muslim gatherings in all Provinces in India have unanimously resolved that with a view to provide adequate safeguards for the protection of Muslim interests in India as a whole, Mussulmans should have the right of 33 per cent representation in the Central Legislature and this Conference entirely endorses that demand;

And whereas on ethnological, linguistic, geographical and administrative grounds the Province of Sind has no affinity whatever with the rest of the Bombay Presidency and its unconditional constitution into a separate Province, possessing its own separate legislative and administrative machinery on the same lines as in other Provinces of India is essential in the interests of its people, the Hindu minority in Sind being given adequate and effective representation in excess of their proportion in the population, as may be given to Mussulmans in Provinces in which they constitute a minority of population;

And whereas the introduction of constitutional reforms in the North-West Frontier Province and Baluchistan along such lines as may be adopted in other Provinces of India is essential not only in the interests of those Provinces but also of the constitutional advance of India as a whole, the Hindu minorities in those Provinces being given adequate and effective representation in excess of their proportion in population, as is given to the Muslim community in Provinces in which it constitutes a minority of the population;

And whereas it is essential in the interests of the Indian administration that provision should be made in the Constitution giving Muslims their adequate share along with other Indians in all Services of the State and on all statutory self-governing bodies, having due regard to the requirments of efficiency;

And whereas, having regard to the political conditions obtaining in India it is essential that the Indian Constitution should embody safeguards for protection

and promotion of Muslim education, languages, religion, personal law and Muslim charitable institutions, and for their due share in grants-in-aid;

And whereas, it is essential that the Constitution should provide that no change in the Indian Constitution shall, after its inauguration, be made by the Central Legislature except with the concurrence of all the States constituting the Indian Federation;

This Conference emphatically declares that no Constitution, whosoever proposed or devised, will be acceptable to Indian Mussulmans unless it conforms to the principles embodied in this resolution.

Mr Jinnah's Fourteen Points, 28th March 1929

The League after anxious and careful consideration most earnestly and emphatically lays down that no scheme for the future constitution of the government of India will be acceptable to Mussulmans of India until and unless the following basic principles are given effect to and provisions are embodied therein to safeguard their rights and interests:

(1) The form of the future Constitution should be federal with the residuary powers vested in the Provinces.

(2) A uniform measure of autonomy shall be granted to all Provinces.

(3) All Legislatures in the country and other elected bodies shall be constituted on the definite principle of adequate and effective representation of Minorities in every Province without reducing the majority in any Province to a minority or even equality.

(4) In the Central Legislature, Mussalman representation shall not be less than one third.

(5) Representation of communal groups shall continue to be by means of separate electorates as at present: provided it shall be open to any community, at any time, to abandon its separate electorate in favour of joint electorates.

(6) Any territorial redistribution that might at any time be necessary shall not in any way affect the Muslim majority in the Punjab, Bengal and the North-West Frontier Province.

(7) Full religious liberty, i.e. liberty of belief, worship and observance, propaganda, association and education, shall be guaranteed to all communities.

(8) No Bill or resolution or any part thereof shall be passed in any Legislature or any other elected body if three-fourths of the members of any community in that particular body oppose such a Bill, resolution or part thereof on the ground that it would be injurious to the interests of that community or in the alternative, such other method is devises as may be found feasible and practicable to deal with such cases.

(9) Sind should be separated from the Bombay Presidency.

(10) Reforms should be introduced in the North-West Frontier Province and Baluchistan on the same footing as in other Provinces.

(11) Provision should be made in the Constitution giving Muslims an adequate share, along with the other Indians, in all the Services of the State and in local self-governing bodies having due regard to the requirements of efficiency.

(12) The Constitution should embody adequate safeguards for the protection of Muslim culture and for the protection and promotion of Muslim education, language, religion, personal laws and Muslim charitable institutions and for their due share in the grants-in-aid given by the State and by local self-governing bodies.

(13) No Cabinet, either Central or Provincial, should be formed without there being a proportion of at least one-third Muslim Ministers.

(14) No change shall be made in the Constitution by the Central Legislature except with the concurrence of the States constituting the Indian Federation.

The draft resolution also mentions an alternative to the above provision in the following terms:

That, in the present circumstances, representation of Mussulmans in the different Legislatures of the country and other elected bodies through separate electorates

is inevitable and further, the Government being pledged over and over again not to disturb this franchise so granted to the Muslim community since 1909 till such time as the Mussulmans chose to abandon it, the Mussulmans will not consent to joint electorates unless Sind is actually constituted into a separate Province and reforms in fact are introduced in the North-West Frontier Province and Baluchistan on the same footing as in other Provinces.

Further, it is provided that there shall be reservation of seats according to the Muslim population in the various Provinces; but where Mussulmans are in a majority they shall not contest more seats than their population warrants.

The question of excess representation of Mussulmans over and above their population in Provinces where they are in minority is to be considered hereafter.

Sections of Allama Iqbal's Address

1. Islam and Nationalism
2. The Unity of an Indian Nation
3. Muslim India within India
4. Federal States
5. Federation As Understood in the Simon Report
6. Federal Scheme As Discussed in the Round Table Conference
7. The Problem of Defence
8. The Alternative
9. The Round Table Conference
10. The Conclusion

Allama Iqbal's Presidential Address in Allahabad

Gentlemen, I am deeply grateful to you for the honour you have conferred upon me in inviting me to preside over the deliberations of the All-India Muslim League at one of the most critical moments in the history of Muslim political thought and activity in India. I have no doubt that in this great assembly there are men whose political experience is far more extensive than mine, and for whose knowledge of affairs I have the highest respect. It will, therefore, be presumptuous on my part to claim to guide an assembly of such men in the political decisions which they are called upon to make today. I lead no party; I follow no leader. I have given the best part of my life to a careful study of Islam, its law and polity, its culture, its history and its literature. This constant contact with the spirit of Islam, as it unfolds itself in time, has, I think, given me a kind of insight into its significance as a world fact. It is in the light of this insight, whatever its value, that, while assuming that the Muslims of India are determined to remain true to the spirit of Islam, I propose not to guide you in your decisions, but to attempt the humbler task of bringing clearly to your consciousness the main principle which, in my opinion, should determine the general character of these decisions.

1. Islam and Nationalism

It cannot be denied that Islam, regarded as an ethical ideal plus a certain kind of polity – by which expression I mean a social structure regulated by a legal system and animated by a specific ethical ideal – has been the chief formative factor in the life-history of the Muslims of India. It has furnished those basic emotions and loyalties which gradually unify scattered individuals and groups, and finally transform them into a well-defined people, possessing a moral consciousness of their own. Indeed it is not an exaggeration to say that India is perhaps the only country in the world where Islam, as a people-building force, has worked at its best. In India, as elsewhere, the structure of Islam as a society is almost entirely due to the working of Islam as a culture inspired by a specific ethical ideal. What I mean to say is that Muslim society, with its remarkable homogeneity and inner unity, has grown to be what it is, under the pressure of the laws and institutions associated with the culture of Islam.

The ideas set free by European political thinking, however, are now rapidly changing the outlook of the present generation of Muslims both in India and outside India. Our younger men, inspired by these ideas, are anxious to see them as living forces in

their own countries, without any critical appreciation of the facts which have determined their evolution in Europe. In Europe Christianity was understood to be a purely monastic order which gradually developed into a vast church organisation. The protest of Luther was directed against this church organisation, not against any system of polity of a secular nature, for the obvious reason that there was no such polity associated with Christianity. And Luther was perfectly justified in rising in revolt against this organisation; though, I think, he did not realise that in the peculiar conditions which obtained in Europe, his revolt would eventually mean the complete displacement of [the] universal ethics of Jesus by the growth of a plurality of national and hence narrower systems of ethics.

Thus the upshot of the intellectual movement initiated by such men as Rousseau and Luther was the break-up of the one into [the] mutually ill-adjusted many, the transformation of a human into a national outlook, requiring a more realistic foundation, such as the notion of country, and finding expression through varying systems of polity evolved on national lines, i.e. on lines which recognise territory as the only principle of political solidarity. If you begin with the conception of religion as complete other-worldliness, then what has happened to Christianity in Europe is perfectly natural. The universal ethics of Jesus is displaced by national systems of ethics and polity. The conclusion to which Europe is consequently driven is that religion is a private affair of the individual and has nothing to do with what is called man's temporal life.

Islam does not bifurcate the unity of man into an irreconcilable duality of spirit and matter. In Islam God and the universe, spirit and matter, Church and State, are organic to each other. Man is not the citizen of a profane world to be renounced in the interest of a world of spirit situated elsewhere. To Islam, matter is spirit realising itself in space and time. Europe uncritically accepted the duality of spirit and matter, probably from Manichaean thought. Her best thinkers are realising this initial mistake today, but her statesmen are indirectly forcing the world to accept it as an unquestionable dogma. It is, then, this mistaken separation of spiritual and temporal which has largely influenced European religious and political thought and has resulted practically in the total exclusion of Christianity from the life of European States. The result is a set of mutually ill-adjusted States dominated by interests not human but national. And these mutually ill-adjusted States, after trampling over the moral and religious convictions of Christianity, are today feeling the need of a federated Europe, i.e. the need of a unity which the Christian church organisation originally gave them, but which, instead of reconstructing it in the light of Christ's vision of human brotherhood, they considered fit to destroy under the inspiration of Luther.

A Luther in the world of Islam, however, is an impossible phenomenon; for here there is no church organisation similar to that of Christianity in the Middle Ages, inviting a destroyer. In the world of Islam we have a universal polity whose fundamentals are believed to have been revealed but whose structure, owing to our legists' [=legal theorists'] want of contact with the modern world, today stands in need of renewed power by fresh adjustments. I do not know what will be the final fate of the national idea in the world of Islam. Whether Islam will assimilate and transform it, as it has before assimilated and transformed many ideas expressive of a different spirit, or allow a radical

transformation of its own structure by the force of this idea, is hard to predict. Professor Wensinck of Leiden (Holland) wrote to me the other day: "It seems to me that Islam is entering upon a crisis through which Christianity has been passing for more than a century. The great difficulty is how to save the foundations of religion when many antiquated notions have to be given up. It seems to me scarcely possible to state what the outcome will be for Christianity, still less what it will be for Islam." At the present moment the national idea is racialising the outlook of Muslims, and thus materially counteracting the humanizing work of Islam. And the growth of racial consciousness may mean the growth of standards different [from] and even opposed to the standards of Islam.

I hope you will pardon me for this apparently academic discussion. To address this session of the All-India Muslim League you have selected a man who is [=has] not despaired of Islam as a living force for freeing the outlook of man from its geographical limitations, who believes that religion is a power of the utmost importance in the life of individuals as well as States, and finally who believes that *Islam is itself Destiny and will not suffer a destiny*. Such a man cannot but look at matters from his own point of view. Do not think that the problem I am indicating is a purely theoretical one. It is a very living and practical problem calculated to affect the very fabric of Islam as a system of life and conduct. On a proper solution of it alone depends your future as a distinct cultural unit in India. Never in our history has Islam had to stand a greater trial than the one which confronts it today. It is open to a people to modify, reinterpret or reject the foundational principles of their social structure; but it is absolutely necessary for them to see clearly what they are doing before they undertake to try a fresh experiment. Nor should the way in which I am approaching this important problem lead anybody to think that I intend to quarrel with those who happen to think differently. You are a Muslim assembly and, I suppose, anxious to remain true to the spirit and ideals of Islam. My sole desire, therefore, is to tell you frankly what I honestly believe to be the truth about the present situation. In this way alone it is possible for me to illuminate, according to my light, the avenues of your political action.

2. The Unity of an Indian Nation

What, then, is the problem and its implications? Is religion a private affair? Would you like to see Islam as a moral and political ideal, meeting the same fate in the world of Islam as Christianity has already met in Europe? Is it possible to retain Islam as an ethical ideal and to reject it as a polity, in favor of national polities in which [the] religious attitude is not permitted to play any part? This question becomes of special importance in India, where the Muslims happen to be a minority. The proposition that religion is a private individual experience is not surprising on the lips of a European. In Europe the conception of Christianity as a monastic order, renouncing the world of matter and fixing its gaze entirely on the world of spirit, led, by a logical process of thought, to the view embodied in this proposition. The nature of the Prophet's religious experience, as disclosed in the Quran, however, is wholly different. It is not mere experience in the sense of a purely biological event, happening inside the experient and necessitating no reactions on its social environment. It is individual experience creative of a social order. Its immediate outcome

is the fundamentals of a polity with implicit legal concepts whose civic significance cannot be belittled merely because their origin is revelational.

The religious ideal of Islam, therefore, is organically related to the social order which it has created. The rejection of the one will eventually involve the rejection of the other. Therefore the construction of a polity on national lines, if it means a displacement of the Islamic principle of solidarity, is simply unthinkable to a Muslim. This is a matter which at the present moment directly concerns the Muslims of India. "Man," says Renan, "is enslaved neither by his race, nor by his religion, nor by the course of rivers, nor by the direction of mountain ranges. A great aggregation of men, sane of mind and warm of heart, creates a moral consciousness which is called a nation." Such a formation is quite possible, though it involves the long and arduous process of practically remaking men and furnishing them with a fresh emotional equipment. It might have been a fact in India if the teaching of Kabir and the Divine Faith of Akbar had seized the imagination of the masses of this country. Experience, however, shows that the various caste units and religious units in India have shown no inclination to sink their respective individualities in a larger whole. Each group is intensely jealous of its collective existence. The formation of the kind of moral consciousness which constitutes the essence of a nation in Renan's sense demands a price which the peoples of India are not prepared to pay.

The unity of an Indian nation, therefore, must be sought not in the negation, but in the mutual harmony and cooperation, of the many. True statesmanship cannot ignore facts, however unpleasant they may be. The only practical course is not to assume the existence of a state of things which does not exist, but to recognise facts as they are, and to exploit them to our greatest advantage. And it is on the discovery of Indian unity in this direction that the fate of India as well as of Asia really depends. India is Asia in miniature. Part of her people have cultural affinities with nations of the east, and part with nations in the middle and west of Asia. If an effective principle of cooperation is discovered in India, it will bring peace and mutual goodwill to this ancient land which has suffered so long, more because of her situation in historic space than because of any inherent incapacity of her people. And it will at the same time solve the entire political problem of Asia.

It is, however, painful to observe that our attempts to discover such a principle of internal harmony have so far failed. Why have they failed? Perhaps we suspect each other's intentions and inwardly aim at dominating each other. Perhaps, in the higher interests of mutual cooperation, we cannot afford to part with the monopolies which circumstances have placed in our hands, and [thus we] conceal our egoism under the cloak of nationalism, outwardly simulating a large-hearted patriotism, but inwardly as narrow-minded as a caste or tribe. Perhaps we are unwilling to recognise that each group has a right to free development according to its own cultural traditions. But whatever may be the causes of our failure, I still feel hopeful. Events seem to be tending in the direction of some sort of internal harmony. And as far as I have been able to read the Muslim mind, I have no hesitation in declaring that if the principle that the Indian Muslim is entitled to full and free development on the lines of his own culture and tradition in his own Indian home-lands is recognized as the basis of a permanent communal settlement, he will be ready to stake his all for the freedom of India.

The principle that each group is entitled to its free development on its own lines is not inspired by any feeling of narrow communalism. There are communalisms and communalisms. A community which is inspired by feelings of ill-will towards other communities is low and ignoble. I entertain the highest respect for the customs, laws, religious and social institutions of other communities. Nay, it is my duty, according to the teaching of the Quran, even to defend their places of worship, if need be. *Yet I love the communal group which is the source of my life and behaviour; and which has formed me what I am by giving me its religion, its literature, its thought, its culture, and thereby recreating its whole past as a living operative factor, in my present consciousness*. Even the authors of the Nehru Report recognise the value of this higher aspect of communalism. While discussing the separation of Sind they say, "To say from the larger viewpoint of nationalism that no communal provinces should be created, is, in a way, equivalent to saying from the still wider international viewpoint that there should be no separate nations. Both these statements have a measure of truth in them. But the staunchest internationalist recognises that without the fullest national autonomy it is extraordinarily difficult to create the international State. *So also without the fullest cultural autonomy – and communalism in its better aspect is culture – it will be difficult to create a harmonious nation*."

3. **Muslim India Within India**

Communalism in its higher aspect, then, is indispensable to the formation of a harmonious whole in a country like India. The units of Indian society are not territorial as in European countries. India is a continent of human groups belonging to different races, speaking different languages, and professing different religions. Their behaviour is not at all determined by a common race-consciousness. Even the Hindus do not form a homogeneous group. The principle of European democracy cannot be applied to India without recognising the fact of communal groups. The Muslim demand for the creation of a Muslim India within India is, therefore, perfectly justified. The resolution of the All-Parties Muslim Conference at Delhi is, to my mind, wholly inspired by this noble ideal of a harmonious whole which, instead of stifling the respective individualities of its component wholes, affords them chances of fully working out the possibilities that may be latent in them. And I have no doubt that this House will emphatically endorse the Muslim demands embodied in this resolution.

Personally, I would go farther than the demands embodied in it. *I would like to see the Punjab, North-West Frontier Province, Sind and Baluchistan amalgamated into a single State. Self-government within the British Empire, or without the British Empire, the formation of a consolidated North-West Indian Muslim State appears to me to be the final destiny of the Muslims, at least of North-West India*. The proposal was put forward before the Nehru Committee. They rejected it on the ground that, if carried into effect, it would give a very unwieldy State. This is true in so far as the area is concerned; in point of population, the State contemplated by the proposal would be much less than some of the present Indian provinces. The exclusion of Ambala Division, and perhaps of some districts where non-Muslims predominate, will make it less extensive and more Muslim in population – so that the exclusion suggested will enable this consolidated State to give a

more effective protection to non-Muslim minorities within its area. The idea need not alarm the Hindus or the British. India is the greatest Muslim country in the world. The life of Islam as a cultural force in the country very largely depends on its centralisation in a specified territory. This centralisation of the most living portion of the Muslims of India, whose military and police service has, notwithstanding unfair treatment from the British, made the British rule possible in this country, will eventually solve the problem of India as well as of Asia. It will intensify their sense of responsibility and deepen their patriotic feeling.

Thus, possessing full opportunity of development within the body politic of India, the North-West Indian Muslims will prove the best defenders of India against a foreign invasion, be that invasion one of ideas or of bayonets. The Punjab with 56 percent Muslim population supplies 54 percent of the total combatant troops in the Indian Army, and if the 19,000 Gurkhas recruited from the independent State of Nepal are excluded, the Punjab contingent amounts to 62 percent of the whole Indian Army. This percentage does not take into account nearly 6,000 combatants supplied to the Indian Army by the North-West Frontier Province and Baluchistan. From this you can easily calculate the possibilities of North-West Indian Muslims in regard to the defence of India against foreign aggression. The Right Hon'ble Mr. Srinivasa Sastri thinks that the Muslim demand for the creation of autonomous Muslim states along the north-west border is actuated by a desire "to acquire means of exerting pressure in emergencies on the Government of India." I may frankly tell him that the Muslim demand is not actuated by the kind of motive he imputes to us; it is actuated by a genuine desire for free development which is practically impossible under the type of unitary government contemplated by the nationalist Hindu politicians with a view to secure permanent communal dominance in the whole of India.

Nor should the Hindus fear that the creation of autonomous Muslim states will mean the introduction of a kind of religious rule in such states. I have already indicated to you the meaning of the word religion, as applied to Islam. The truth is that Islam is not a Church. It is a State conceived as a contractual organism long before Rousseau ever thought of such a thing, and animated by an ethical ideal which regards man not as an earth-rooted creature, defined by this or that portion of the earth, but as a spiritual being understood in terms of a social mechanism, and possessing rights and duties as a living factor in that mechanism. The character of a Muslim State can be judged from what the *Times of India* pointed out some time ago in a leader [=front-page article] on the Indian Banking Inquiry Committee. "In ancient India," the paper points out, "the State framed laws regulating the rates of interest; but in Muslim times, although Islam clearly forbids the realisation of interest on money loaned, Indian Muslim States imposed no restrictions on such rates." I therefore demand the formation of a consolidated Muslim State in the best interests of India and Islam. For India, it means security and peace resulting from an internal balance of power; for Islam, an opportunity to rid itself of the stamp that Arabian Imperialism was forced to give it, to mobilise its law, its education, its culture, and to bring them into closer contact with its own original spirit and with the spirit of modern times.

4. Federal States

Thus it is clear that in view of India's infinite variety in climates, races, languages, creeds and social systems, the creation of autonomous States, based on the unity of language, race, history, religion and identity of economic interests, is the only possible way to secure a stable constitutional structure in India. The conception of federation underlying the Simon Report necessitates the abolition of the Central Legislative Assembly as a popular assembly, and makes it an assembly of the representatives of federal States. It further demands a redistribution of territory on the lines which I have indicated. And the Report does recommend both. I give my wholehearted support to this view of the matter, and venture to suggest that the redistribution recommended in the Simon Report must fulfill two conditions. It must precede the introduction of the new constitution, and must be so devised as to finally solve the communal problem. Proper redistribution will make the question of joint and separate electorates automatically disappear from the constitutional controversy of India. It is the present structure of the provinces that is largely responsible for this controversy.

The Hindu thinks that separate electorates are contrary to the spirit of true nationalism, because he understands the word nation to mean a kind of universal amalgamation in which no communal entity ought to retain its private individuality. Such a state of things, however, does not exist. Nor is it desirable that it should exist. India is a land of racial and religious variety. Add to this the general economic inferiority of the Muslims, their enormous debt, especially in the Punjab, and their insufficient majorities in some of the provinces as at present constituted, and you will begin to see clearly the meaning of our anxiety to retain separate electorates. In such a country and in such circumstances territorial electorates cannot secure adequate representation of all interests, and must inevitably lead to the creation of an oligarchy. The Muslims of India can have no objection to purely territorial electorates if provinces are demarcated so as to secure comparatively homogeneous communities possessing linguistic, racial, cultural and religious unity.

5. Federation As Understood in the Simon Report

But in so far as the question of the powers of the Central Federal State is concerned, there is a subtle difference of motive in the constitutions proposed by the pundits of India and the pundits of England. The pundits of India do not disturb the Central authority as it stands at present. All that they desire is that this authority should become fully responsible to the Central Legislature which they maintain intact and where their majority will become further reinforced on the nominated element ceasing to exist. The pundits of England, on the other hand, realising that democracy in the Centre tends to work contrary to their interests and is likely to absorb the whole power now in their hands, in case a further advance is made towards responsible government, have shifted the experience of democracy from the Centre to the provinces. No doubt, they introduce the principle of Federation and appear to have made a beginning by making certain proposals; yet their evaluation of this principle is determined by considerations wholly different to those which determine its value in the eyes of Muslim India. The Muslims demand federation because

it is pre-eminently a solution of India’s most difficult problem, i.e. the communal problem. The Royal Commissioners' view of federation, though sound in principle, does not seem to aim at responsible government for federal States. Indeed it does not go beyond providing means of escape from the situation which the introduction of democracy in India has created for the British, and wholly disregards the communal problem by leaving it where it was.

Thus it is clear that, in so far as real federation is concerned, the Simon Report virtually negatives the principle of federation in its true significance. The Nehru Report, realising [a] Hindu majority in the Central Assembly, reaches a unitary form of government because such an institution secures Hindu dominance throughout India; the Simon Report retains the present British dominance behind the thin veneer of an unreal federation, partly because the British are naturally unwilling to part with the power they have so long wielded and partly because it is possible for them, in the absence of an inter-communal understanding in India, to make out a plausible case for the retention of that power in their own hands. To my mind a unitary form of government is simply unthinkable in a self-governing India. What is called "residuary powers" must be left entirely to self-governing States, the Central Federal State exercising only those powers which are expressly vested in it by the free consent of federal States. I would never advise the Muslims of India to agree to a system, whether of British or of Indian origin, which virtually negatives the principle of true federation, or fails to recognise them as a distinct political entity.

6. Federal Scheme As Discussed in the Round Table Conference

[[6a]] The necessity for a structural change in the Central Government was seen probably long before the British discovered the most effective means for introducing this change. That is why at rather a late stage it was announced that the participation of the Indian Princes in the Round Table Conference was essential. It was a kind of surprise to the people of India, particularly the minorities, to see the Indian Princes dramatically expressing their willingness at the Round Table Conference to join an all-India federation and, as a result of their declaration, Hindu delegates – uncompromising advocates of a unitary form of government – quietly agreeing to the evolution of a federal scheme. Even Mr. Sastri who only a few days before had severely criticised Sir John Simon for recommending a federal scheme for India, suddenly became a convert and admitted his conversion in the plenary session of the Conference – thus offering the Prime Minister of England an occasion for one of his wittiest observations in his concluding speech. All this has a meaning both for the British who have sought the participation of the Indian Princes, and for the Hindus who have unhesitatingly accepted the evolution of an all-India federation. The truth is that the participation of the Indian Princes, among whom only a few are Muslims, in a federation scheme serves a double purpose. On the one hand, it serves as an all-important factor in maintaining the British power in India practically as it is; on the other hand, it gives [an] overwhelming majority to the Hindus in an All-India Federal Assembly.

It appears to me that the Hindu-Muslim differences regarding the ultimate form of the Central Government are being cleverly exploited by British politicians through the agency of the Princes who see in the scheme prospects of better security for their despotic rule. If the Muslims silently agree to any such scheme, it will simply hasten their end as a political entity in India. The policy of the Indian federation thus created, will be practically controlled by [the] Hindu Princes forming the largest group in the Central Federal Assembly. They will always lend their support to the Crown in matters of Imperial concern; and in so far as internal administration of the country is concerned, they will help in maintaining and strengthening the supremacy of the Hindus. In other words, the scheme appears to be aiming at a kind of understanding between Hindu India and British Imperialism – you perpetuate me in India, and I in return give you a Hindu oligarchy to keep all other Indian communities in perpetual subjection. If, therefore, the British Indian provinces are not transformed into really autonomous States, the Princes' participation in a scheme of Indian federation will be interpreted only as a dexterous move on the part of British politicians to satisfy, without parting with any real power, all parties concerned – Muslims with the *word* federation; Hindus with a majority in the Centre; the British Imperialists – with the *substance* of real power.

The number of Hindu States in India is far greater than Muslim States; and it remains to be seen how the Muslim demand for 33 percent [of the] seats in the Central Federal Assembly is to be met within a House or Houses constituted of representatives taken from British India as well as Indian States. I hope the Muslim delegates are fully aware of the implications of the federal scheme as discussed in the Round Table Conference. The question of Muslim representation in the proposed all-India federation has not yet been discussed. "The interim report," says Reuters' summary, "contemplates two chambers in the Federal Legislature, each containing representatives both of British India and States, the proportion of which will be a matter of subsequent consideration under the heads which have not yet been referred to the Sub-Committee." In my opinion the question of proportion is of the utmost importance and ought to have been considered simultaneously with the main question of the structure of the Assembly.

The best course, I think, would have been to start with a British Indian Federation only. A federal scheme born of an unholy union between democracy and despotism cannot but keep British India in the same vicious circle of a unitary Central Government. Such a unitary form may be of the greatest advantage to the British, to the majority community in British India, and to the Indian Princes; it can be of no advantage to the Muslims, unless they get majority rights in five out of eleven Indian provinces with full residuary powers, and one-third share of seats in the total House of the Federal Assembly. In so far as the attainment of sovereign powers by the British Indian provinces is concerned, the position of His Highness the Ruler of Bhopal, Sir Akbar Hydari, and Mr. Jinnah is unassailable. In view, however, of the participation of the Princes in the Indian Federation, we must now see our demand for representation in the British Indian Assembly in a new light. The questions is not one of [the] Muslim share in a British Indian Assembly, but one which relates to representation of British Indian Muslims in an All-India Federal Assembly. Our demand for 33 per cent must now be taken as a demand for the

same proportion in the All-India Federal Assembly, exclusive of the share allotted to the Muslim states entering the Federation.

7. The Problem of Defence

The other difficult problem which confronts the successful working of a federal system in India is the problem of India's defence. In their discussion of this problem the Royal Commissioners have marshalled all the deficiencies of India in order to make out a case for Imperial administration of the Army. "India and Britain," say the Commissioners, "are so related that India's defence cannot, *now or in any future which is within sight*, be regarded as a matter of purely Indian concern. The control and direction of such an army must rest in the hands of agents of Imperial Government." Now, does it [not] necessarily follow from this that further progress towards the realisation of responsible government in British India is barred until the work of defence can be adequately discharged without the help of British officers and British troops? *As things are, there is a block on the line of constitutional advance*. All hopes of evolution in the Central Government towards the ultimate goal prescribed in the declaration of 20th August 1917, are in danger of being indefinitely frustrated, if the attitude illustrated by the Nehru Report is maintained, that any future change involves the putting of the administration of the army under the authority of an elected Indian Legislature. Further to fortify their argument they emphasize the fact of competing religions and rival races of widely different capacity, and try to make the problem look insoluble by remarking that "the obvious fact that India is not, in the ordinary and natural sense, a single nation is nowhere made more plain than in considering the difference between the martial races of India and the rest." These features of the question have been emphasised in order to demonstrate that the British are not only keeping India secure from foreign menace but are also the "neutral guardians" of internal security.

However, in federated India, as I understand federation, the problem will have only one aspect, i.e. external defence. Apart from provincial armies necessary for maintaining internal peace, the Indian Federal Congress can maintain, on the north-west frontier, a strong Indian Frontier Army, composed of units recruited from all provinces and officered by efficient and experienced military men taken from all communities. I know that India is not in possession of efficient military officers, and this fact is exploited by the Royal Commissioners in the interest of an argument for Imperial administration. On this point I cannot but quote another passage from the Report which, to my mind, furnishes the best argument against the position taken up by the Commissioners. "At the present moment," says the Report, "no Indian holding the King's Commission is of higher army rank than a captain. There are, we believe, 39 captains of whom 25 are in ordinary regimental employ. Some of them are of an age which would prevent their attaining much higher rank, even if they passed the necessary examination before retirement. Most of these have not been through Sandhurst, but got their Commissions during the Great War." Now, however genuine may be the desire, and however earnest the endeavour to work for this transformation, overriding conditions have been so forcibly expressed by the Skeen Committee (whose members, apart from the Chairman and the Army Secretary, were Indian gentlemen) in these words: Progress...must be contingent upon success being secured at each stage and upon military efficiency being maintained, though it must in

any case render such development measured and slow. A higher command cannot be evolved at short notice out of existing cadres of Indian officers, all of junior rank and limited experience. Not until the slender trickle of suitable Indian recruits for the officer class – and we earnestly desire an increase in their numbers – flows in much greater volume, not until sufficient Indians have attained the experience and training requisite to provide all the officers for, at any rate, some Indian regiments, not until such units have stood the only test which can possibly determine their efficiency, and not until Indian officers have qualified by a successful army career for the high command, will it be possible to develop the policy of Indianisation to a point which will bring a completely Indianised army within sight. Even then years must elapse before the process could be completed."

Now I venture to ask: who is responsible for the present state of things? Is it due to some inherent incapacity of our martial races, or to the slowness of the process of military training? The military capacity of our martial races is undeniable. The process of military training may be slow as compared to other processes of human training. I am no military expert to judge this matter. But as a layman I feel that the argument, as stated, assumes the process to be practically endless. This means perpetual bondage for India, and makes it all the more necessary that the Frontier Army, as suggested by the Nehru Report, be entrusted to the charge of a committee of defence, the personnel of which may be settled by mutual understanding.

Again, it is significant that the Simon Report has given extraordinary importance to the question of India's land frontier, but has made only passing references to its naval position. India has doubtless had to face invasions from her land frontier; but it is obvious that her present masters took possession of her on account of her defenceless sea coast. A self-governing and free India will, in these days, have to take greater care of her sea coast than [of her] land frontiers.

I have no doubt that if a Federal Government is established, Muslim federal States will willingly agree, for purposes of India's defence, to the creation of neutral Indian military and naval forces. Such a neutral military force for the defence of India was a reality in the days of Mughal rule. Indeed in the time of Akbar the Indian frontier was, on the whole, defended by armies officered by Hindu generals. I am perfectly sure that the scheme for a neutral Indian army, based on a federated India, will intensify Muslim patriotic feeling, and finally set at rest the suspicion, if any, of Indian Muslims joining Muslims from beyond the frontier in the event of an invasion.

8. The Alternative

I have thus tried briefly to indicate the way in which the Muslims of India ought, in my opinion, to look at the two most important constitutional problems of India. A redistribution of British India, calculated to secure a permanent solution of the communal problem, is the main demand of the Muslims of India. If, however, the Muslim demand of a territorial solution of the communal problem is ignored, then I support, as emphatically as possible, the Muslim demands repeatedly urged by the All-India Muslim League and the All-India

Muslim Conference. The Muslims of India cannot agree to any constitutional changes which affect their majority rights, to be secured by separate electorates in the Punjab and Bengal, or [which] fail to guarantee them 33 percent representation in any Central Legislature. There were two pitfalls into which Muslim political leaders fell. The first was the repudiated Lucknow Pact, which originated in a false view of Indian nationalism and deprived the Muslims of India of chances of acquiring any political power in India. The second is the narrow-visioned sacrifice of Islamic solidarity, in the interests of what may be called Punjab ruralism, resulting in a proposal which virtually reduces the Punjab Muslims to a position of minority. It is the duty of the League to condemn both the Pact and the proposal.

The Simon Report does great injustice to the Muslims in not recommending a statutory majority for the Punjab and Bengal. It would make the Muslims either stick to the Lucknow Pact or agree to a scheme of joint electorates. The despatch of the Government of India on the Simon Report admits that since the publication of that document the Muslim community has not expressed its willingness to accept any of the alternatives proposed by the Report. The despatch recognises that it may be a legitimate grievance to deprive the Muslims in the Punjab and Bengal of representation in the councils in proportion to their population merely because of weightage allowed to Muslim minorities elsewhere. But the despatch of the Government of India fails to correct the injustice of the Simon Report. In so far as the Punjab is concerned – and this is the most crucial point – it endorses the so-called "carefully balanced scheme" worked out by the official members of the Punjab Government which gives the Punjab Muslims a majority of two over Hindus and Sikhs combined, and a proportion of 49 percent of the House as a whole. It is obvious that the Punjab Muslims cannot be satisfied with less than a clear majority in the total House. However, Lord Irwin and his Government do recognise that the justification for communal electorates for majority communities would not cease unless and until by the extension of franchise their voting strength more correctly reflects their population; and further unless a two-thirds majority of the Muslim members in a provincial Council unanimously agree to surrender the right of separate representation. I cannot, however, understand why the Government of India, having recognised the legitimacy of the Muslim grievances, have not had the courage to recommend a statutory majority for the Muslims in the Punjab and Bengal.

Nor can the Muslims of India agree to any such changes which fail to create at least Sind as a separate province and treat the North-West Frontier Province as a province of inferior political status. I see no reason why Sind should not be united with Baluchistan and turned into a separate province. It has nothing in common with Bombay Presidency. In point of life and civilization the Royal Commissioners find it more akin to Mesopotamia and Arabia than India. The Muslim geographer Mas'udi noticed this kinship long ago when he said: "Sind is a country *nearer* to the dominions of Islam." The first Omayyad ruler is reported to have said of Egypt: "Egypt has her back towards Africa and face towards Arabia." With necessary alterations the same remark describes the exact situation of Sind. She has her back towards India and face towards Central Asia. Considering further the nature of her agricultural problems which can invoke no sympathy from the Bombay Government, and her infinite commercial possibilities, dependent on the inevitable growth

of Karachi into a second metropolis of India, it is unwise to keep her attached to a Presidency which, though friendly today, is likely to become a rival at no distant period. Financial difficulties, we are told, stand in the way of separation. I do not know of any definite authoritative pronouncement on the matter. But assuming there are any such difficulties, I see no reason why the Government of India should not give temporary financial help to a promising province in her struggle for independent progress.

As to the North-West Frontier Province, it is painful to note that the Royal Commissioners have practically denied that the people of this province have any right to reform. They fall far short of the Bray Committee, and the Council recommended by them is merely a screen to hide the autocracy of the Chief Commissioner. The inherent right of the Afghan to light a cigarette is curtailed merely because he happens to be living in a powder house. The Royal Commissioners' epigrammatic argument is pleasant enough, but far from convincing. Political reform is light, not fire; and to light every human being is entitled, whether he happens to live in a powder house or a coal mine. Brave, shrewd, and determined to suffer for his legitimate aspirations, the Afghan is sure to resent any attempt to deprive him of opportunities of full self-development. To keep such a people contented is in the best interest of both England and India. What has recently happened in that unfortunate province is the result of a step-motherly treatment shown to the people since the introduction of the principle of self-government in the rest of India. I only hope that British statesmanship will not obscure its view of the situation by hoodwinking itself into the belief that the present unrest in the province is due to any extraneous causes.

The recommendation for the introduction of a measure of reform in the North-West Frontier Province made in the Government of India's despatch is also unsatisfactory. No doubt, the despatch goes farther than the Simon Report in recommending a sort of Representative Council and a semi-representative cabinet, but it fails to treat this important Muslim province on [an] equal footing with other Indian provinces. Indeed the Afghan is, by instinct, more fitted for democratic institutions than any other people in India.

9. **The Round Table Conference**

I think I am now called upon to make a few observations on the Round Table Conference. Personally I do not feel optimistic as to the results of this Conference. It was hoped that away from the actual scene of communal strife and in a changed atmosphere, better counsels would prevail and a genuine settlement of the differences between the two major communities of India would bring India's freedom within sight. Actual events, however, tell a different tale. Indeed, the discussion of the communal question in London has demonstrated more clearly than ever the essential disparity between the two great cultural units of India. Yet the Prime Minister of England apparently refuses to see that the problem of India is international and not national. He is reported to have said that "his government would find it difficult to submit to Parliament proposals for the maintenance of separate electorates, since joint electorates were much more in accordance with British democratic sentiments." Obviously he does not see that the model of British democracy cannot be of any use in a land of many nations; and that a system of separate electorates

is only a poor substitute for a territorial solution of the problem. Nor is the Minorities Sub-Committee likely to reach a satisfactory settlement. The whole question will have to go before the British Parliament; and we can only hope that the keen-sighted representatives of [the] British nation, unlike most of our Indian politicians, will be able to pierce through the surface of things and see clearly the true fundamentals of peace and security in a country like India. To base a constitution on the concept of a homogeneous India, or to apply to India principles dictated by British democratic sentiments, is unwittingly to prepare her for a civil war. As far as I can see, there will be no peace in the country until the various peoples that constitute India are given opportunities of free self-development on modern lines without abruptly breaking with their past.

I am glad to be able to say that our Muslim delegates fully realise the importance of a proper solution of what I call [the] Indian international problem. They are perfectly justified in pressing for a solution of the communal question before the question of responsibility in the Central Government is finally settled. No Muslim politician should be sensitive to the taunt embodied in that propaganda word – communalism – expressly devised to exploit what the Prime Minister calls British democratic sentiments, and to mislead England into assuming a state of things which does not really exist in India. Great interests are at stake. We are 70 millions, and far more homogeneous than any other people in India. Indeed the Muslims of India are the only Indian people who can fitly be described as a nation in the modern sense of the word. The Hindus, though ahead of us in almost all respects, have not yet been able to achieve the kind of homogeneity which is necessary for a nation, and which Islam has given you as a free gift. No doubt they are anxious to become a nation, but the process of becoming a nation is kind of travail, and in the case of Hindu India involves a complete overhauling of her social structure.

Nor should the Muslim leaders and politicians allow themselves to be carried away by the subtle but fallacious argument that Turkey and Persia and other Muslim countries are progressing on national, i.e. territorial, lines. The Muslims of India are differently situated. The countries of Islam outside India are practically wholly Muslim in population. The minorities there belong, in the language of the Quran, to the 'people of the Book'. There are no social barriers between Muslims and the 'people of the Book'. A Jew or a Christian or a Zoroastrian does not pollute the food of a Muslim by touching it, and the law of Islam allows intermarriage with the 'people of the Book'. Indeed the first practical step that Islam took towards the realisation of a final combination of humanity was to call upon peoples possessing practically the same ethical ideal to come forward and combind. The Quran declares: "O people of the Book! Come, let us join together on the 'word' (Unity of God) that is common to us all." The wars of Islam and Christianity, and later, European aggression in its various forms, could not allow the infinite meaning of this verse to work itself out in the world of Islam. Today it is being gradually realised in the countries of Islam in the shape of what is called Muslim Nationalism.

It is hardly necessary for me to add that the sole test of the success of our delegates is the extent to which they are able to get the non-Muslim delegates of the Conference to agree to our demands as embodied in the Delhi Resolution. If these demands are not agreed to, then a question of a very great and far-reaching importance will arise for the

community. Then will arrive the moment for independent and concerted political action by the Muslims of India. If you are at all serious about your ideals and aspirations, you must be ready for such an action. Our leading men have done a good deal of political thinking, and their thought has certainly made us, more or less, sensitive to the forces which are now shaping the destinies of peoples in India and outside India. But, I ask, has this thinking prepared us for the kind of action demanded by the situation which may arise in the near future?

Let me tell you frankly that, at the present moment, the Muslims of India are suffering from two evils. The first is the want of personalities. Sir Malcolm Hailey and Lord Irwin were perfectly correct in their diagnosis when they told the Aligarh University that the community had failed to produce leaders. By leaders I mean men who, by Divine gift or experience, possess a keen perception of the spirit and destiny of Islam, along with an equally keen perception of the trend of modern history. Such men are really the driving forces of a people, but they are God’s gift and cannot be made to order.

The second evil from which the Muslims of India are suffering is that the community is fast losing what is called the herd instinct. This [loss] makes it possible for individuals and groups to start independent careers without contributing to the general thought and activity of the community. We are doing today in the domain of politics what we have been doing for centuries in the domain of religion. But sectional bickerings in religion do not do much harm to our solidarity. They at least indicate an interest in what makes the sole principle of our structure as a people. Moreover, the principle is so broadly conceived that it is almost impossible for a group to become rebellious to the extent of wholly detaching itself from the general body of Islam. But diversity in political action, at a moment when concerted action is needed in the best interests of the very life of our people, may prove fatal.

How shall we, then, remedy these two evils? The remedy of the first evil is not in our hands. As to the second evil, I think it is possible to discover a remedy. I have got definite views on the subject; but I think it is proper to postpone their expression till the apprehended situation actually arises. In case it does arise, leading Muslims of all shades of opinion will have to meet together, not to pass resolutions, but finally to determine the Muslim attitude and to show the path to tangible achievement. In this address I mention this alternative only because I wish that you may keep it in mind and give some serious thought to it in the meantime.

10. The Conclusion

Gentlemen, I have finished. In conclusion I cannot but impress upon you that the present crisis in the history of India demands complete organisation and unity of will and purpose in the Muslim community, both in your own interest as a community, and in the interest of India as a whole. The political bondage of India has been and is a source of infinite misery to the whole of Asia. It has suppressed the spirit of the East and wholly deprived her of that joy of self-expression which once made her the creator of a great and

glorious culture. We have a duty towards India where we are destined to live and die. We have a duty towards Asia, especially Muslim Asia. And since 70 millions of Muslims in a single country constitute a far more valuable asset to Islam than all the countries of Muslim Asia put together, we must look at the Indian problem not only from the Muslim point of view, but also from the standpoint of the Indian Muslim as such. Our duty towards Asia and India cannot be loyally performed without an organised will fixed on a definite purpose. In your own interest, as a political entity among other political entities of India, such an equipment is an absolute necessity.

Our disorganised condition has already confused political issues vital to the life of the community. I am not hopeless of an intercommunal understanding, but I cannot conceal from you the feeling that in the near future our community may be called upon to adopt an independent line of action to cope with the present crisis. And an independent line of political action, in such a crisis, is possible only to a determined people, possessing a will focalised by a single purpose. Is it possible for you to achieve the organic wholeness of a unified will? Yes, it is. Rise above sectional interests and private ambitions, and learn to determine the value of your individual and collective action, however directed on material ends, in the light of the ideal which you are supposed to represent. Pass from matter to spirit. Matter is diversity; spirit is light, life and unity.

One lesson I have learnt from the history of Muslims. At critical moments in their history it is Islam that has saved Muslims and not vice versa. If today you focus your vision on Islam and seek inspiration from the ever-vitalising idea embodied in it, you will be only reassembling your scattered forces, regaining your lost integrity, and thereby saving yourself from total destruction. One of the profoundest verses in the Holy Quran teaches us that the birth and rebirth of the whole of humanity is like the birth and rebirth of a single individual. Why cannot you who, as a people, can well claim to be the first practical exponents of this superb conception of humanity, live and move and have your being as a single individual? I do not wish to mystify anybody when I say that things in India are not what they appear to be. The meaning of this, however, will dawn upon you only when you have achieved a real collective ego to look at them. In the words of the Quran, "Hold fast to yourself; no one who erreth can hurt you, provided you are well guided" (5:104).

Iqbal’s Clarification on his Allahbad’s Address

Below is reproduced a letter Iqbal wrote to The Times newspaper of London when he was in London in 1931, which was published in The Times in its issue of

October 12, 1931, on page 8. The text of this letter is also given in the book Letters and Writings of Iqbal published by the Iqbal Academy Pakistan from Lahore in 1967, reprinted in 1981 (pages 119–120). It is as follows:

Sir,— Writing in your issue of October 3 last, Dr. E. Thompson has torn the following passage from its context in my presidential address to the All-India Moslem League of last December, in order to serve as evidence of “Pan-Islamic plotting”:

I would like to see the Punjab, North-West Frontier Province, Sind, and Baluchistan amalgamated into a single State. Self-government within the British Empire or without the British Empire, the formation of a consolidated North-West Indian Moslem State appears to me to be the final destiny of the Moslems, at least of North-West India.

May I tell Dr. Thompson that in this passage I do not put forward a “demand” for a Moslem state outside the British Empire, but only a guess at the possible outcome in the dim future of the mighty forces now shaping the destiny of the Indian sub-continent. No Indian Moslem with any pretence to sanity contemplates a Moslem state or series of States in North-West India outside the British commonwealth of Nations as a plan of practical politics.

Although I would oppose the creation of another cockpit of communal strife in the Central Punjab, as suggested by some enthusiasts, I am all for a redistribution of India into provinces with effective majorities of one community or another on lines advocated both by the Nehru and the Simon Reports. Indeed, my suggestion regarding Moslem provinces merely carries forward this idea. A series of contented and well-organized Moslem provinces on the North-West Frontier of India would be the bulwark of India and of the British Empire against the hungry generations of the Asiatic highlands.

Yours faithfully,

Muhammed Iqbal

St. James’s court, S.W.1, Oct. 10

NORTH-WEST INDIA

MOSLEM PROVINCES

TO THE EDITOR OF THE TIMES

Sir,—Writing in your issue of October 3 last, Dr. E. Thompson has torn the following passage from its context in my presidential address to the All-India Moslem League of last December, in order to serve as evidence of "Pan-Islamic plotting":—

I would like to see the Punjab, North-West Frontier Province, Sind, and Baluchistan amalgamated into a single State. Self-government within the British Empire or without the British Empire, the formation of a consolidated North-West Indian Moslem State appears to me to be the final destiny of the Moslems, at least of North-West India.

May I tell Dr. Thompson that in this passage I do not put forward a "demand" for a Moslem State outside the British Empire, but only a guess at the possible outcome in the dim future of the mighty forces now shaping the destiny of the Indian sub-continent. No Indian Moslem with any pretence to sanity contemplates a Moslem State or series of States in North-West India outside the British Commonwealth of Nations as a plan of practical politics.

Although I would oppose the creation of another cockpit of communal strife in the Central Punjab, as suggested by some enthusiasts, I am all for a redistribution of India into provinces with effective majorities of one community or another on lines advocated both by the Nehru and the Simon Reports. Indeed, my suggestion regarding Moslem provinces merely carries forward this idea. A series of contented and well-organized Moslem provinces on the North-West Frontier of India would be the bulwark of India and of the British Empire against the hungry generations of the Asiatic highlands.

Yours faithfully,

MUHAMMED IQBAL.

St. James's-court, S.W.1, Oct. 10.

The following year, 1932, Iqbal again visited London in connection with the Third Round Table Conference held between Indian leaders and the British government. At a reception in his honour on 24 November, attended by members of the British Parliament and diplomats from many countries, Iqbal made a short statement which ended with the words:

"Muslims have courage and have always shown loyalty and affection for Great Britain. I hope the Muslims' legitimate claims and aspirations would be fully safeguarded in the final settlement." (Letters and Writings of Iqbal, page 70)

A similar function was held on 15 December in a room in the Houses of Parliament where foreign diplomats and members of the House of Lords and Commons were invited to meet Iqbal and other members of the Muslim delegation. Iqbal summarised the case for the Muslims of India, and ended his speech as follows:

"I, therefore, respectfully submit that the demands the Muslims of India have placed before you are worth your consideration, because a powerful India will solve for ever the question that is most prominent in politics at the present time, the question of the cooperation of the East and West. India lies between the East and West, and if the Muslims are allowed an opportunity, with the co-operation of England, they can serve the people of Asia and of England".

Round Table Conference

In response to the inadequacy of the Simon Report, the Labour Government, which had come to power under Ramsay MacDonald in 1929, decided to hold a series of Round Table Conferences in London.

The first Round Table Conference convened from 12 November 1930 to 19 January 1931. Prior to the Conference, M. K. Gandhi had initiated the Civil

Disobedience Movement on behalf of the Indian National Congress. Consequently, since many of the Congress' leaders were in jail, Congress did not participate in the first conference, but representatives from all other Indian parties and a number of Princes did. The outcomes of the first Round Table Conference were minimal: India was to develop into a federation, safeguards regarding defence and finance were agreed and other departments were to be transferred. However, little was done to implement these recommendations and civil disobedience continued in India. The British Government realized that the Indian National Congress needed to be part of deciding the future of constitutional government in India.

Lord Irwin, the Viceroy, met with Gandhi to reach a compromise. On 5 March 1931 they agreed the following to pave the way for the Congress' participation in the second Round Table Conference: Congress would discontinue the Civil Disobedience Movement, it would participate in the second Round Table Conference, the Government would withdraw all ordinances issued to curb the Congress, the Government would withdraw all prosecutions relating to offenses not involving violence and the Government would release all persons undergoing sentences of imprisonment for their activities in the Civil Disobedience Movement.

References

1. Title: The Nehru Report: An Anti-separatist Manifesto; the Committee Appointed by the All Parties' Conference, 1928

Author: All Parties Conference (India). Nehru Committee

2. Title: Simon Commission and Indian Nationalism

Author: S. R. Bakshi

3. Title: علامہ اقبال: تقریریں، تحریریں اور بیانات

Author: اقبال احمد صدیقی

4. Title اقبال کی منزل

Author: خرم علی شفیق

5. Website: http://www.iqbalcyberlibrary.net/

6. Website: https://www.iqbal.com.pk/

7. Newspaper: روزنامہ انقلاب کے تراشے بشکریہ جناب امجد سلیم علوی

8. Newspaper: The Times London (12th Oct, 1931)